بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فلسفہ تخلیق کائنات در نظر قرآن

اور

اس کا شیطانی فلسفوں سے مقابلہ

تالیف

سید محمد حسین زیدی برستی

ناشر

ادارہ نشر واشاعت حقائق الاسلام

نزد مین ڈاکخانہ لاہوری گیٹ چنیوٹ

نام کتاب: فلسفہ تخلیق کائنات درنظر قرآن اوراس کا شیطانی فلسفوں سے مقابلہ

نام مؤلف: سید محمد حسین زیدی برستی

رابطہ نمبر: 047-6334466 Cell:0321-7917681

ناشر: ادارہ نشر واشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ

047-6334466 Cell:0321-7917681

کمپوزنگ: **الرحمٰن** کمپیوٹر کمپوزنگ سنٹر چنیوٹ (0333-9794804)

تعداد: ایک ہزار

مطبع: معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور

طبع: دوم 2009

پیش لفظ

تخلیق کائنات کے بارے میں ہمارے سامنے دو فلسفے ہیں ایک رحمانی فلسفہ ہے ،دوسرا شیطانی فلسفہ ہے، پہلا فلسفہ قرآنی ہے، دوسرا فلسفہ یونانی فلسفہ ہے، پہلا فلسفہ تخلیق کائنات، خود خالق کائنات نے بذریعہ وحی اپنے حبیب خاتم الانبیاء پر قرآن میں نازل کیا ہے اور دوسرا فلسفہ یونانی فلاسفہ نے قیاسات اور خیالات سے گھڑ کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے ۔فلاسفہ یونان کسی نبی، کسی رسول یا کسی ہادی کے خدا کی طرف سے آنے کے قائل نہیں ہیں ۔کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم خود اتنی عظیم عقل کے مالک ہیں کہ ہمیں کسی نبی، رسول اور ہادی کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے ۔نبی، رسول اور ہادی ناقص العقل لوگوں کے لئے ہوتے ہیں ۔فلاسفہ یونان نے خدا کو اپنے خیال کے مطابق ایک ایسی چیز قرار دیا تھا جس میں سے صرف ایک چیز نکل سکتی ہے ۔اس کے بعد ساری کائنات کو اس چیز نے خلق کیا جو خدا میں سے اولاً صادر ہوئی ۔فلاسفہ کا یہ اصول فلسفہ کی بہت سے قیاسی تبدیلیوں کے باوجود تمام فلاسفہ کے فلسفوں میں اپنے مقام پر قائم رہا اور وہ اصول یہ تھا کہ (الواحد لا یصدر عن الواحد) ۔یعنی ایک چیز میں سے ایک چیز کے سوا اور کچھ صادر نہیں ہو سکتا۔یعنی اس ذات کو جس نے خود قرآن میں (لم یلد ولم یلد) کے اصول کے طور پر پہنچوایا ہے اسے ایک ایسی چیز قرار دیا جس میں کم از کم ایک چیز پیدا ہوئی ۔خداوند تعالی نے ابلیس کے اس قول کو جو اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کے بعد دعوے کے ساتھ کہا تھا کو، حکایتاً اس طرح سے بیان کیا ہے (قال رب بما اغویتنی لا زینن لھ فی الارض ولا غوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین) الحجر 39-40

(ابلیس نے) کہا بار الہا تو نے جس کے سبب مجھے راندہ درگاہ کیا ہے میں بھی اس

زمین میں باطل کو اور بری باتوں کو ان کے لئے آراستہ کردوں گا اور انہیں ان کے سامنے زینت دے کر اور سجا کر پیش کروں گا اور ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ اور ان میں سے سوائے تیرے چند مخلص بندوں کے میرے اغواء کرنے سے کوئی نہ بچ سکے گا۔

فلسفہ یونان نے جس وقت یونان سے باہر قدم نکالے تو آسمانی مذاہب میں سے سب سے پہلے عیسائیوں نے اسے گلے لگایا۔ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ اٹھائے جانے کے بعد اکثر عیسائی گمراہ ہو کر حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہنے لگ گئے تھے ابتدا میں ان کی دلیل اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کا کوئی باپ نہیں تھا لہذا خدا ان کا باپ ہے اور وہ خدا کے بیٹے ہیں، جب فلسفہ یونان ان کے پاس پہنچا تو انہیں اس فلسفہ میں اپنے عقیدہ کی بہت ہی قوی دلیل دکھائی دی۔ پس انہوں نے یہ کہا کہ وہ ایک چیز جو خدا کے اندر سے نکلی وہ حضرت عیسیٰؑ تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے خدا کے اندر سے نکلنے کے بعد خدا کے CHIEF EXECUTIVE کی حیثیت سے کام کیا اور ساری کائنات کو خلق کرنے اور ساری کائنات کا نظام چلانے والے وہی ہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب TRUTH MAKES THE MAN PERFECT۔

عیسائیوں کے بعد مسلمانوں میں بنی عباس کے دور میں یہ مرض پھیلا۔ بنی عباس نے لوگوں کو آئمہ اطہار کی طرف سے رخ موڑنے کے لیے یونان سے فلسفہ کی کتابیں درآمد کیں ان کے عربی زبان میں ترجمے کرائے ان کی تعلیم کے لیے مدارس کھولے، اساتذہ کی گرانقدر تنخواہیں مقرر کیں اور فلسفہ پڑھانے والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ لہذا ان مدرسوں سے بڑے بڑے فلاسفر فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ ایک تو انہیں تاریخ میں علم دوست کی حیثیت سے پہچانا جائے، دوسرے لوگ آئمہ اہل بیتؑ سے علم کی پیاس بجھانے کی بجائے اس نئے علم کی طرف رجوع کریں۔

اسی زمانے میں زنادقہ نے بھی اسی فلسفہ کو اپنے عقائد فاسدہ کے لیے ایک ڈھال کے طور پر استعمال کیا اور کوفے کے ایک زندیق عثمان ابن شریف نے جو ابو ھاشم کوفی کے نام سے مشہور تھا اسی فلسفہ کو بنیاد بنا کر تصوف و عرفان کی بنیا د رکھی اور پہلے مرحلے میں حلول و اتحاد کے نظریہ کے ذریعہ پیر کامل اور صوفی و عارف کو خدا بنانے کا کام لیا اور بعد میں ان کے محققین میں سے محی الدین ابن عربی نے وحدت الوجود کا نظریہ پیش کیا اور ہر چیز کو اس فلسفہ کے مطابق خدا بنا دیا۔ مقدس اردبیلی لکھتے ہیں کہ

"و از جهت آنکه کسی پی نبرد که ایشاں د ز دان مقالات و اعتقادات قبیحه فلاسفه اند ایں معنی را لباس دیگر پوشانیدند وحدت وجودش نام کردند" (حدیقۃ الشیعہ مقدس اردبیلی صفحہ 566)

یعنی اس غرض سے کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ انہوں نے فلاسفہ کے مقالات اور بداعتقادات چرائے ہیں اس مطلب کو دوسرا لباس پہنایا اور اس کا نام وحدت الوجود رکھا"۔ مقدس اردبیلی کے اس بیان سے واضح ہے کہ فلسفہ اور تصوف و عرفان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور یہ دونوں ہی وحدت الوجود کے قائل ہیں۔

آئمہ اطہار کے زمانے میں فلاسفہ اور سارے بزرگ صوفی و عارف سنی ہوا کرتے تھے اور انہیں آئمہ اطہار کے مقابلہ میں خلفائے بنی عباس کی سرپرستی حاصل تھی جبکہ آج بھی دوسرے اسلامی ممالک میں رہنے والے صوفی سنی ہی ہیں۔ لیکن ایران میں جب صوفیوں نے یہ دیکھا کہ یہاں شیعوں کا غلبہ ہے تو انہوں نے اپنے مسلک کی حفاظت کے لئے علی علی کے نعرے لگانے شروع کر دیئے لیکن وہ اپنے فاسد عقائد سے دستبردار نہ ہوئے جب فلسفہ اور تصوف نے ایران میں اپنے قدم جما لئے تو پھر ایران میں بھی بڑے بڑے نامور فلاسفر اور صوفی و عارف پیدا ہوئے جو خود کو شیعہ ہی کہلاتے تھے چونکہ فلسفہ یونان اور

محی الدین ابن عربی کا فلسفہ وحدت الوجود، جسے محی الدین ابن عربی نے صوفیوں کے لئے نیا نام لے کر ایجاد کیا تھا ایک ہی چیز تھی لہذا سارے صوفی وحدت الوجودی بھی اور سارے فلسفی بھی فلسفہ یونان کے گرویدہ تھے اور ایران میں فلسفہ کے پڑھنے کا شوق اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ علامہ مجلسی نے بحارالانوار کی چودھویں جلد میں حدوث عالم کے بیان کو ثابت کرنے کے بعد اہل ایران کے فلسفہ کے ساتھ شغف کو اس طرح سے بیان کیا ہے کہ

"ہمارے زمانے میں لوگ فلسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے انتہائی گرویدہ اور حریص ہو گئے ہیں اور انہوں نے کتاب خدا اور احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اخبار آئمہ معصومینؑ سے رخ موڑ لیا ہے اور حقائق شریعہ فلسفہ کی اصلاحات کے ساتھ مخلوط ہو گئی ہیں۔ اور بہت سے لوگ ان کی طرف راغب ہو گئے ہیں اور ان کے شبہات کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور خود بھی گمراہ ہو گئے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں اور اپنے رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں کہ "انہوں نے فلسفہ کو اپنا امام بنا لیا ہے اور دین کی صریح باتوں کو فلاسفہ کی روش کے مطابق تاویل کرتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ فلاسفہ کے دلائل، گمان اور خیال کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

شیخ احمد احسائی بھی عین اس زمانہ میں داخل ایران ہوا جب ایران میں فلسفہ اور تصوف کا زور و شور کے ساتھ چرچا ہو رہا تھا ایک طرف فلسفہ کے شائقین تھے اور دوسری طرف قرآن واحادیث معصومینؑ کو اپنانے والے علماء شیعہ تھے۔ جو ان کے فلسفی اور صوفیانہ افکار کی تکفیر کر رہے تھے۔ شیخ احمد احسائی نے اپنے خیال کے مطابق ایران میں پھیلے ہوئے پہلے سے رائج فلسفہ میں ذرا سی ترمیم کر کے اسے ایک نئی شکل دی وہ دیکھنے میں شکل تو دوسری تھی لیکن اصلاً وہی چیز تھی اور فلسفہ یونان سے زیادہ مطابق تھی۔ اس نے سب سے پہلے فلسفہ پر کتاب فوائد لکھی۔ پھر شرح فوائد لکھی۔ ملا صدرا کی کتابوں مشاعر اور عرشیہ کی

شرح لکھی اور زیارت جامعہ کی شرح میں فلسفہ کے قیاسی دلائل اور صوفیہ کی خدا بنانے والی مثالوں کے ذریعے اپنے عقیدہ تفویض کو مستدل کیا۔شیعہ علمائے عراق و ایران نے اسکے عقائد ونظریات کو مذہب شیخیہ کا نام دیا اور سے کافر و ضال و مضل قرار دیا۔پس ایران کے بہت سے حجتہ الاسلام اور آیت اللہ مذہب شیخیہ رکھتے ہیں اور بہت سے حجتہ الاسلام اور آیت اللہ محی الدین ابن عربی کے پیرو ہیں اور ایران میں قم کے بعض مدارس اسی محی الدین ابن عربی کے فلسفہ وتصوف کے درس وتدریس میں مشغول ہیں چنانچہ آیت اللہ روح اللہ خمینی ساری عمر اپنے مدرسہ فیضیہ میں ملاصدرا کے فلسفہ اور محی الدین ابن عربی کے تصوف وعرفان کا ہی درس دیتے رہے۔چونکہ ہمارے جملہ بزرگ شیعہ علمائے حقہ فلسفہ وتصوف کو باطل، غلط، کفر، زندقہ اور بے دینی قرار دیتے تھے لہذا وہ طلبہ کو ملاصدرا اور محی الدین ابن عربی کا فلسفہ پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

لیکن انقلابات کے زمانے میں آقائے روح اللہ خمینی کے سربراہ مملکت جمہوریہ اسلامیہ ایران بن جانے کے بعد مدرسہ فیضیہ سے پڑھ کر آنے والے اب سارے جہان کے شیعہ علماء حقہ سے یہ توقع کرنے لگے ہیں کہ وہ بھی محی الدین ابن عربی اور اس کے پیرو دوسرے فلسفیوں اور صوفیوں کے باطل و فاسد عقائد ونظریات کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کردیں۔کیونکہ سید العرفا روح اللہ خمینی ساری عمر ان کے فلسفہ اور تصوف کا درس دیتے رہے ہیں۔

آقائے روح اللہ خمینی کا بادشاہت ختم کر کے انقلاب برپا کرنے کا کارنامہ اپنے مقام پر فی الحقیقت ایک عظیم کارنامہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جملہ شیعیان جہان بھی محی الدین ابن عربی کے فلسفہ وتصوف کو اپنالیں جس کا آقائے روح اللہ خمینی نے اپنے مدرسہ فیضیہ میں ساری عمر درس دیا ہے اور ان کی اکثر کتابوں میں تصوف وعرفان ہی کا

رنگ بھرا ہوا ہے۔ اگر آقائے روح اللہ خمینی کے سربراہ مملکت جمہوریہ اسلامیہ بن جانے کے بعد ایران میں محی الدین ابن عربی اور ملا صدرا کے فلسفہ کو مزید عروج حاصل ہو گیا ہو اور ان کے نظریات کو غلط سمجھنے والوں کو زبان کھولنے کی اجازت نہ ہو اور ان کی غلط باتوں کو غلط کہنا جرم قرار دے دیا گیا تو سارے شیعیان جہاں کو تو اپنی عاقبت اور بھلائی کے لیے محی الدین ابن عربی اور ملا صدرا کی باتوں کی پیروی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

میری ان باتوں کو پڑھ کر پاکستان کے بہت سے شیعہ کہلانے والے علماء بھی ناراض ہوں گے بہت سے جاہل مجھے برا بھلا بھی کہیں گے اور شاید بہت سے علماء حقہ بھی یہ کہیں کہ یہ اس کتاب کے شائع کرنے کا وقت نہیں تھا مگر کیا کیا جائے؟ اس وقت ہمارے ملک میں تین معیاری اخبار چھپتے ہیں ان میں سے ایک ہفت روزہ رضا کار ہے۔ دوسرا ماہنامہ العارف اور تیسرا سہ ماہی ثقلین ہے ان تینوں رسائل میں انقلاب جمہوریہ اسلامیہ ایران کی مناسبت سے اسپیشل مضامین چھپے ہیں جن میں آقائے روح اللہ خمینی کو محی الدین ابن عربی کے افکار اور فلسفہ و تصوف کی نشر و اشاعت کرنے والا بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ محی الدین ابن عربی وہ شخص ہے جس کے فلسفہ وحدت الوجود اور تصوف کو تمام بزرگ علمائے شیعہ اور بزرگ علماء اہل سنت کفر و زندقہ و بے دینی قرار دے چکے ہیں۔ لہذا اس بات کا قوی امکان ہے کہ مذکورہ مضامین پڑھ کر کہیں پاکستان کے سادہ لوح شیعہ عوام آقائے خمینی کی بھاری بھرکم شخصیت سے مرعوب ہو کر محی الدین ابن عربی کو اپنا امام و پیشوا نہ بنا بیٹھیں۔ جب کہ آگے ہی شیعیان حقہ جعفریہ اثنا عشریہ کا پاکستان کے شیخی مبلغین نے عقیدے کے بارے میں برا حال کیا ہوا ہے۔ لہذا اس کتاب کے شائع ہونے میں اس سے زیادہ موزوں وقت اور موقع اور کون سا ہو گا؟ بہر حال فلسفہ یونان اور اس کی تمام مرمدہ صورتیں چونکہ قرآن کریم، احادیث پیغمبر اور اخبار آئمہ اطہار کے سراسر خلاف ہیں اور ابلیس نے فلسفہ و تصوف

کولوگوں کو سامنے اس طرح سے پیش کیا ہے کہ اس سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ قرآنی تعلیمات سے ہٹ کر، فلسفہ کی خرافات اور صوفیت کی بدعات کو اپنا بیٹھے ہیں لہذا میں نے اپنی اس کتاب میں تخلیق کائنات کا وہ فلسفہ پیش کیا ہے جو قرآن میں خدا نے نازل فرمایا ہے اور جسے آئمہ اطہار نے اپنی زبان وحی ترجمان سے بیان فرمایا ہے اور اس کا شیطانی فلسفوں سے مقابلہ کر کے دکھایا ہے تا کہ جس کا دل چاہے وہ قرآنی حقائق کو تسلیم کرے اور جس کا دل چاہے وہ قرآنی تعلیمات کے خلاف فلسفہ یونان اور صوفیت کی بدعات کو گلے لگائے، قال اللہ تعالیٰ

"و قل الحق من ربکم قف فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر "الکہف۔۲۹

"ارشاد رب العزت ہے کہ اے پیغمبرؐ تم یہ کہہ دو کہ حق تو وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جس کا دل چاہے ایمان لائے اور جس کا دل چاہے انکار کرے۔

وما علینا الا البلاغ

احقر

سید محمد حسین زیدی برتی چنیوٹ

فہرست

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ اشرف الانبیاء و المرسلین و آلہ الطیبین الطاھرین المعصومین اما بعد فقد قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی القرآن المجید و الفرقان الحمید بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ قل اللہ خالق کل شیءٍ و ھو الواحد القھار ۔ (الرعد۔۱۶)۔

ترجمہ: تم کہہ دو کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا و زبردست ہے۔

اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے

ارشادِ رب العزت ہے:

ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شیءٍ و ھو الواحد القھار (الرعد۔۱۶)

ترجمہ: کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک مقرر کر لئے ہیں جنہوں نے اس ہی کی سی مخلوق پیدا کر دی ہے جس سے ان پر مخلوق کی شناخت مشتبہ ہو گئی ہے ۔ تم یہ کہہ دو کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا اور زبردست ہے۔

تفسیر تبیان میں اس آیت کی تفسیر یوں بیان ہوئی ہے کہ " قل اللہ خالق کل شیءٍ ای ھو خالق جمیع ذالک یعنی ما تقدم من الافعال التی یستحق بہ العبادۃ " (التبیان جد۶ص 237) یعنی قل اللہ خالق کل شیءٍ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان تمام افعال کا خالق ہے جن کا اس سے پہلے بیان ہوا ہے اور جن کی بناء پر وہ عبادت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

ذالکم اللہ ربکم لا الہ الا ھو خالق کل شیء فاعبدوہ

(الانعام:102)

وہی اللہ تو تمہارا پروردگار ہے۔اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے پس تم اسی کی عبادت کرو۔

تفسیر تبیان میں اس آیت کی تفسیر میں یوں بیان ہوا ہے کہ

" ذالک " اشارۃ الی ما تقدم ذکرہ من وصف اللہ بانہ " بدیع السموٰت والارض " وغیرہ۔ ذالک من صفاتہ تعالیٰ و انما ادخل فیھا " المیم " لا نہ خطاب لجمیع الخلق " اللہ ربکم " صفتہ بعد صفۃ

(التبیان جلد 4 ص 221-222)

یعنی "ذالک" کا وہ اشارہ ہے، جس کا ذکر اس سے پہلے اللہ کی توصیف میں گذر چکا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین وغیرہ کو نئے سرے سے پیدا کرنے والا ہے۔جس کی پہلے سے کوئی مثال موجود نہیں تھی۔یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور "ذالک" میں "میم" کا اضافہ اس لیے کیا ہے کیونکہ یہ تمام مخلوقات خداوندی سے خطاب ہے اور "اللہ ربکم" ایک صفت کے بیان کے بعد دوسری صفت کا بیان ہے۔

" و قولہ لا الہ الا ھو ، اخبار بانہ لا معبود سواہ تحق لہ العبادۃ ' و بین انہ ' خالق کل شیء من اصناف الخلق " (التبیان جلد 4 ص 222)

اور اس کا یہ قول کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔خبر ہے اس بات کی کہ بلا شبہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو مستحق عبادت ہو۔اور اس نے بات کو واضح طور پر بیان کیا ہے کہ بلا شک و شبہ مخلوقات کی تمام اقسام میں سے ہر چیز کا خالق وہی ہے۔

اس کے آگے لکھتے ہیں

"ثم امر الخلق العبادة من كان خالق الاشياء كلها والمنعم علیٰ خلقه بما یستحق به العبادة من خلق الحیاة و القدرة والشهوة والبقاء و غیر ذالک" (التبیان جلد 4 ص 222)

پھر اس نے اپنی مخلوق کو یہ حکم دیا کہ وہ اس ہستی کی عبادت کریں جو تمام چیزوں کا خلق کرنے والا ہے اور جو اپنی مخلوق کو حیات، قدرت، خواہشات اور بقا جیسی نعمتیں عطا کرنے والا ہے اور اسی وجہ سے وہ عبادت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے ان آیات میں بیان کیا ہے کہ جو ہستی تمام چیزوں کی خالق ہے وہی عبادت کے لائق ہے، یہ بت پرستوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہے کہ ان بتوں کو تم نے خود بنایا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ وہ تمہاری عبادت کرتے، کیونکہ تم ان کے بنانے والے ہو، الٹا تم ان کی عبادت کرنے لگے، کتنی کم عقلی کی بات ہے یہ تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے۔

دوسری طرف چونکہ بت پرست بھی اس بات کے قائل تھے کہ ساری کائنات کا خلق کرنے والا تو خدا ہی ہے لہذا اس آیت کے ذریعہ انہیں سمجھاتا ہے جو کہ ساری کائنات کا خالق ہے وہی عبادت کے لائق ہے لہذا تم اس کی عبادت کیوں نہیں کرتے جو ہر چیز کا خالق ہے۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وربک یخلق ما یشاء و یختار ما کان لهم الخیرة سبحان الله و تعالیٰ، عما یشرکون" (القصص:18)

اور تمہارا پروردگار ہی جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور (اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے) منتخب کرتا ہے (اس کے) بندوں میں سے کسی کو بھی (نہ تو کسی چیز کے خلق کرنے کا اور نہ ہی کسی چیز کے انتخاب کرنے کا) کوئی اختیار نہیں ہے۔ جن چیزوں کو یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے (اس شریک ٹھہرانے) سے پاک و منزہ اور بلند و

برتر ہے۔

تفسیر بتیان میں اس آیت" ما کان لھم الخیرۃ "کی تفسیر میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ

" و قال الحسن : معناه ما كان لهم الخيرة ، اى يختار والانبياء فيبعثوهم " (التبیان جلد 8 صفحہ 170)

یعنی حسن نے یہ کہا ہے کہ کہ" ما کان لھم الخیرۃ" کا معنی یہ ہے کہ بندے انبیاء کا انتخاب کر کے انہیں مبعوث بر رسالت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

اور اہل سنت کے معروف عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر عثمانی میں اس کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

ف ۷۔ یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اس کی مشیت و اختیار سے ہے اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے جو اس کی مرضی ہو احکام بھیجے جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب و مرتبہ پر فائز کرے، جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرما دے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع و افراد سے ممتاز بنا دے اس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار وانتخاب کا حق حاصل نہیں ہے۔ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط سے لکھا ہے۔ فلیراجع تفسیر عثمانی ف ۷ صفحہ 509۔

اب تک کے بیان سے ثابت ہو گیا ہے کہ نہ تو خدا کے سوا اور کوئی خالق ہے اور نہ ہی اس کی مخلوق میں سے اس کے سوا اس کے کسی منصب کے لئے کسی کو منتخب کرنے کا اختیار ہے

لیکن فلسفہ یونان کا تخلیق کائنات کے بارے میں نظریہ یہ ہے کہ" الواحد لا یصدر عن الا الواحد" یعنی واحد چیز میں سے ایک چیز کے سوا اور کچھ صادر نہیں ہو سکتا۔ باقی کے تمام

کام اس ایک چیز نے کئے جو اس ذات سے صادر ہوئی ۔صدور یا صادر ہونے کے معنی ہیں کسی چیز میں سے کسی چیز کا نکلنا ۔یا خارج ہونا یا پیدا ہونا اور قرآن یہ کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ "لم یلد ولم یولد" ہے یعنی خدا نہ تو کسی چیز سے پیدا ہوا یا نکلا اور نہ ہی اس سے کوئی چیز پیدا ہوئی ۔ پہلا بنیادی اختلاف جو فلسفہ یونان اور قرآن میں ہے وہ یہی ہے اور فلسفہ یونان کو ترمیم کر کے آگے جتنے فلسفے مذکورہ نظریہ کے مطابق ایجاد ہوئے ان میں فلسفہ یونان کی یہ روح باقی ہے اور صرف اس پہلی نکلنے والی چیز کا نام تبدیل ہوا ہے چنانچہ فلسفہ یونان کے مطابق تو خدا کے اندر سے جو چیز نکلی اس کا نام انہوں نے عقل اول رکھا ۔اسی فلسفہ کو ترمیم کر کے جب نصاریٰ نے اپنایا تو اس چیز کا نام جو خدا کے اندر سے نکلی عیسیٰ رکھا۔ صوفیہ نے جب اس فلسفہ میں ترمیم کر کے اپنایا تو خدا کے اندر سے نکلنے والی چیز کا نام مادہ رکھا لہذا وہ حلول و اتحاد سے گذر کر وحدت الوجود پر آ کر ٹھہرے ۔اور شیخ احمد احسائی نے جب اس فلسفہ کو ترمیم کر کے اپنایا تو انہوں نے کہا کہ وہ چیز جو خدا کے اندر سے نکلی وہ محمد و آل محمد علیہم السلام کا نور تھا ۔فلسفہ یونان کے نزدیک صادر اول کے بعد جو کچھ کیا وہ صادر اول یعنی عقل اول نے کیا ۔نصاریٰ کے نزدیک صادر اول کے بعد جو کچھ کیا وہ صادر اول یعنی حضرت عیسیٰ نے کیا اور شیخ احمد احسائی کے نزدیک صادر اول کے بعد جو کچھ کیا وہ اس صادر اول یعنی چہاردہ معصومین علیہم السلام نے کیا۔

لیکن خداوند تعالیٰ، سارے انبیاء اور قرآن یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا خلق کرنے والا بھی خدا ہے، زندگی کا عطا کرنے والا بھی وہی ہے ۔انبیاء و رسل کا انتخاب کرنے والا بھی وہی ہے ان کو وحی کے ذریعے احکام دینے والا بھی وہی ہے اور ساری کائنات کا نظام چلانے والا بھی وہی ہے۔

اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے صدور کے معنی صادر ہونا خارج ہونا ،نکلنا یا پیدا

ہوتا کے ہیں اور قرآن کے نزدیک نہ خدا سے کوئی چیز صادر ہوتی ہے، نہ خارج ہوتی ہے، نہ نکلتی ہے، نہ پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ وہ "لم یلد ولم یولد" ہے اور اس نے ساری کائنات کو اور ہر چیز کو اپنی مشیت سے، اپنے ارادہ واختیار سے، اور اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ اپنی حکمت ومصلحت کے ماتحت خلق فرمایا ہے۔

فلسفہ یونان اور اس کے بنیادی اصول پر مرتب ہونے والے فلسفوں کے نزدیک خدا ایک ہی چیز کے سوا اور کسی چیز پر قادر نہیں ہے یعنی وہ اور کوئی قدرت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ ایک چیز اس کے اندر سے صادر ہوگئی یا نکل گئی اور بس لیکن قرآن خداوند تعالیٰ کی عمومی قدرت کا قائل ہے۔

خدا کی عمومی قدرت کا بیان

قرآن کے نزدیک خدا کی قدرت عمومی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ " الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر " (البقرہ:106)

کیا تمھیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ خدا ہر شے پر قادر ہے۔

حضرت عزیز نبی جب ایک بستی کے پاس سے گذرے تو وہاں دیکھا کہ بستی اپنی چھتوں کے بل الٹی پڑی ہے اور اس کے تمام لوگ مر چکے ہیں۔ تو حضرت عزیز نے حیران ہو کر خدا سے پوچھا کہ تو اس بستی کے ان لوگوں کو کس طرح سے زندہ کرے گا (جن کا یہ حال ہے) تو خدا نے پہلے مرحلہ میں تو خود انہیں اور ان کے گدھے کو بھی سو سال تک کے لئے موت کی آغوش میں سلا دیا پھر سو سال کے بعد انہیں بھی اور ان کی نظروں کے سامنے ان کے گدھے کو بھی زندہ کر دیا۔ اس مرحلہ پر حضرت نے جو کچھ کہا اسے قرآن نے حکایتاً یوں بیان کیا ہے۔

"فلما تبین له قال اعلم ان الله علی کل شیء قدیر" (البقرہ:251)

پس جس وقت (مردوں کو زندہ کرنے کا انہوں نے مشاہدہ کرلیا اور) یہ بات ان پر کھل گئی تو کہنے لگے میں خوب جانتا ہوں کہ بلاشک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

پس قرآن کے نزدیک ہر چیز کا خالق خدا ہے اور وہ ہر کام پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کی قدرت صرف اتنی بات میں منحصر نہیں کہ ایک چیز اس کے اندر سے نکل جائے اور بس۔ اس کے سوا وہ کوئی کام نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس کی قدرت عمومی ہے وہ جو کام بھی کرتا ہے وہ اپنی مشیت یعنی مصلحت و حکمت کے ماتحت اپنے ارادہ و اختیار سے اور اپنی قدرت کاملہ سے انجام دیتا ہے۔ اس سے کوئی فعل اضطراری طور پر صادر نہیں ہوتا اور وہ فاعل مجبور نہیں ہے۔

قرآن نور ہدایت ہے

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ اپنے ایک خطبہ میں قرآن کریم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" فانظر ایها لسائل فما دلک القرآن علیه من صفة الله فائتم به و استضی هداته و کلفک الشیطان علمه بما لیس فی الکتاب علیه فرضه و لا فی سنة النبی صلی الله علیه و آله وسلم و آئمه الهدیٰ ، اثره فکل علمه الی الله سبحانه فان ذالک منتهیٰ حق الله علیک "

(نہج البلاغہ خطبہ 89 ص 239 ترجمہ مفتی جعفر حسین)

"اے اللہ کی صفتوں کو دریافت کرنے والے دیکھو کہ جن صفتوں کا تمہیں قرآن نے پتہ دیا ہے (ان میں) تم اس کی پیروی کرو۔ اور اسی کے نور ہدایت سے کسب ضیاء کرتے رہو اور جو چیزیں کہ قرآن میں واجب نہیں اور نہ سنت پیغمبر و آئمہ ھدیٰ میں ان کا

نام ونشان ہے اور صرف شیطان نے اس کے جاننے کی تمہیں زحمت دی ہے اس کا علم ہی اللہ کے پاس رہنے دو یہی تم پر اللہ کے حق کی آخری حد ہے۔"

ایک اور خطبہ میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے قرآن کی پیروی کے لئے بڑے لطیف انداز میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

"یاد رکھو کہ یہ قرآن ایسا نصیحت کرنے والا ہے جو فریب نہیں دیتا اور ایسا ہدایت کرنے والا ہے جو گمراہ نہیں کرتا اور ایسا بیان کرنے والا ہے جو جھوٹ نہیں بولتا جو بھی اس قرآن کریم کا ہم نشیں ہوا وہ ہدایت کو بڑھا کر اور گمراہی اور ضلالت کو گھٹا کر اس سے الگ ہوا، جان لو کہ کسی کو قرآن (کے تعلیمات) کے بعد کسی اور لائحہ عمل کی احتیاج نہیں رہتی اور نہ کوئی قرآن سے (کچھ سیکھنے سے) پہلے اس سے بے نیاز ہو سکتا ہے اس سے اپنی بیماریوں کی شفا چاہو اور اپنی مصیبتوں پر اسی سے مدد مانگو۔ اس میں کفر و نفاق اور ہلاکت و گمراہی جیسی بڑی بڑی مرضوں کی شفا پائی جاتی ہے۔ اس کے وسیلہ سے اللہ سے مانگو اور اس کی دوستی کو لئے ہوئے اس کا رخ کرو اور اسے لوگوں سے مانگنے کا ذریعہ نہ بناؤ یقیناً بندوں کے لئے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا اس جیسا کوئی ذریعہ نہیں..... الخ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر 174)

قرآنی آیات کا بے محل استعمال

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہم السلام اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"میرے بعد تم پر ایک ایسا دور آنے والا ہے جس میں حق بہت پوشیدہ ہوگا اور باطل بہت نمایاں ہوگا۔ اور اللہ اور رسول پر افترا پردازی کا زور ہوگا اس زمانے والوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ہوگی جبکہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسے پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہ ہوگی جبکہ اس کی

آیتوں کا بے محل استعمال نہ کیا جائے۔ (نہج البلاغہ خطبہ 145)

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ امام عالی مقام کا ارشاد گرامی حرف بحرف صحیح ثابت ہورہا ہے قرآن کریم کی آیات کا منبروں پر بے محل استعمال ہمارے روزمرہ کے مشاہدہ میں ہے اور یہ وہ مصیبت ہے جس میں اس زمانہ کی نسل گرفتار ہے۔ آیتوں کے بے محل استعمال پر داد دی جاتی ہے۔ قرآن کریم کی آیات کو زبردستی اپنے غلط نظریہ پر چپکا کر بیان کیا جاتا ہے تو واہ واہ کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں اور قرآن کی پیروی کی بجائے قرآن کو اپنا تابع بنایا جاتا ہے۔

حق و باطل کی آمیزش گمراہی کا سب سے بڑا سبب ہے

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں

"فتنوں کے وقوع کا آغاز وہ نفسانی خواہشیں ہوتی ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ نئے ایجاد کردہ احکام کہ جن میں قرآن کی مخالفت کی جاتی ہے اور جنہیں فروغ دینے کے لئے کچھ لوگ دین الٰہی کے خلاف باہم ایک دوسرے کے مددگار ہوجاتے ہیں تو اگر باطل حق کی آمیزش سے خالی ہوتا، تو وہ ڈھونڈنے والوں سے پوشیدہ نہ رہتا اور اگر حق باطل کے شائبہ سے پاک و صاف سامنے آتا تو عناد رکھنے والی زبانیں بھی بند ہوجاتیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ کچھ ادھر سے لیا جاتا ہے اور کچھ ادھر سے اور دونوں کو آپس میں غلط ملط کردیا جاتا ہے اس موقع پر شیطان اپنے دوستوں پر چھا جاتا ہے اور صرف وہی لوگ بچے رہتے ہیں جن کے لئے توفیق الٰہی اور عنایت خداوندی پہلے سے موجود ہو۔ (نہج البلاغہ خطبہ 50)

احادیث کی اہمیت اور جھوٹی احادیث کی پہچان

قرآن کریم کے بعد ہدایت کا سب سے بڑا سرچشمہ وہ احادیث پیغمبر ہیں جو بے

وکم کاست صحیح طور پر ہم تک پہنچی ہیں کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ دراصل قرآن کی تفسیر ہے۔ لہذا ہر وہ حدیث جو صحیح طور پر ہم تک پہنچی ہے وہ قرآن کے عین مطابق ہوتی ہے۔ اور قرآن کے مخالف یا متضاد و متناقض نہیں ہوتی۔ لیکن یہ بات امت مسلمہ کے لئے ایک نہایت ہی بدبختی کی بات ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث ہم تک صحیح طور پر نہیں پہنچیں بلکہ بہت سے روایات ایسی ہیں جو فی الحقیقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہی نہیں بلکہ لوگوں نے اپنی اغراض کے لئے غلط طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دی ہیں جیسا کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''لوگوں کے ہاتھ میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص، واضح و مبہم، صحیح اور غلط سب ہی کچھ ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں آپ پر بہتان لگائے گئے، یہاں تک کہ آپ کو کھڑے ہو کر خطبہ میں کہنا پڑا جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔ (نہج البلاغہ خطبہ 208)

اور خود پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف منسوب احادیث کے صحیح و غلط، درست اور گھڑی ہوئی ہونے کا جو معیار اور شناخت بیان فرمائی ہے وہ اصول کافی میں اس طرح سے بیان کی گئی ہے کہ:

"خطب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال ایھاالناس ما جاء کم من یوافق کتاب اللہ فانا قلتہ، و ما جاء کم مخالف کتاب اللہ فلم اقلہ"

اصول کافی باب اخذ بالسنۃ وشواہد الکتاب

یعنی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا جو حدیث میری (طرف منسوب) تمہارے سامنے آئے اگر وہ کتاب خدا کے موافق ہے تو وہ میری ہے اور وہ

میں نے بیان کی ہے اور جو حدیث مخالف کتاب خدا ہو وہ مری نہیں ہے اور میں نے نہیں کہی

لوگوں نے نہ صرف پیغمبر گرامی اسلام کی طرف نسبت دے کر غلط اور وضعی احادیث بیان کی ہیں بلکہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی طرف نسبت دے کر بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں ۔ چنانچہ اصول کافی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس بارے میں اس طرح سے فرمایا ہے کہ:

ا۔ "سمعت ابا عبدالله علیه السلام یقول کل امر ردوا الیٰ کتاب الله و السنة و کل حدیث لا یوافق کتاب الله زخرف"

اصول کافی باب اخذ بالسنۃ وشواہد الکتاب

ا۔ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہر شے کو کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف پھیر دو ۔ اور ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے موافق نہ ہو وہ دروغ اور جھوٹ ہے۔

۲۔ "عن ابی عبدالله علیه السلام مالم یوافق الحدیث القرآن فهو زخرف" اصول کافی باب اخذ بالسنۃ وشواہد الکتاب

۲۔ "صادق آل محمد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ جھوٹی ہے۔"

امیر المومنین علیہ السلام کے مذکورہ خطبہ سے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھی جھوٹی نسبت دے کر بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں ۔ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف بھی جھوٹی نسبت دے کر بہت سی احادیث بیان ہوئی ہیں لہذا اس سے ثابت ہوا کہ احادیث کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ ہدیٰ کی طرف منسوب ہونا کافی نہیں کیونکہ خود ان کا اپنا بیان ہے کہ ان کے اوپر جھوٹ بولا گیا ہے ۔ لہذا انہوں نے

اور سچی اور جھوٹی احادیث کا معیار اور شناخت بیان کردی ہے کہ اگر وہ احادیث کتاب اللہ کے خلاف ہیں تو وہ ان کی بیان کی ہوئی نہیں ہیں بلکہ وہ جھوٹ اور غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ کی طرف منسوب وضعی احادیث کی کیفیت

ان احادیث کو چھوڑ کر جن میں راوی کی قوت حافظہ ،یا یادداشت یا کسی اور غرض کو دخل ہے ۔بنی امیہ کی حکومت کے قیام کے بعد احادیث جس طرح سے وضع کی گئیں اسے اہل سنت کے معروف عالم علامہ مدائنی نے اپنی کتاب ''الاحداث'' میں جس طرح سے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معاویہ نے یہ حکم دیا ہے کہ:

نمبر 1: پیغمبر (ص) نے ابوتراب کی شان میں جتنی احادیث بیان کی ہیں بالکل ویسی ہی احادیث پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی حکومت کے حکمرانوں کی شان میں گھڑ کر میرے سامنے پیش کی جائیں کیونکہ یہ بات معاویہ کے دل کو بہت پسند ہے۔

نمبر 2: پیغمبر کی طرف منسوب کرکے ایسی احادیث وضع کی جائیں جن میں حضرت علی کی مذمت ہوتا کہ بنی امیہ کی طرف سے ان پر تبرا کرنے پر کوئی شخص اعتراض نہ کرے اس قسم کی احادیث کا گھڑنا بنی امیہ کے حکمرانوں کی ضرورت تھی۔

پس پیغمبر کے بعد قائم ہونے والی دنیاوی حکومت کے حکمرانوں کی شان میں اور آئمہ اہل بیتؑ کی مذمت میں پیغمبر (ص) کی طرف منسوب گھڑی ہوئی احادیث مسلمانوں کے ذخیرہ احادیث میں بکثرت موجود ہیں اور ان احادیث کی حقیقت کو معلوم کیے بغیر کوئی بھی مسلمان گمراہی سے نہیں بچ سکتا۔

آئمہ ھدیٰ کی طرف منسوب وضعی احادیث کی کیفیت

احادیث مذکورہ وضعی اقسام کے علاوہ مسلمانوں کے ذخیرہ احادیث میں دو قسم کی وضعی احادیث اور بھی موجود ہیں جنہیں غلط طور پر آئمہ معصومین علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ وضعی وجعلی اور گھڑی ہوئی احادیث آئمہ اطہار علیہم السلام کے ماننے والوں میں سے ان کی گھڑی ہوئی ہیں جنہوں نے پہلے مرحلہ میں حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں اقتدار ظاہری میں ان کو خدا مانا۔

پس ایسی تمام احادیث جن میں حضرت علی علیہ السلام کے خدا ہونے کی بات کہی گئی ہے وہ انہیں لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔

اور جب حضرت علی علیہ السلام نے اس شخص کو جس نے حضرت علی علیہ السلام کے خدا ہونے کا عقیدہ رائج کیا تھا آگ میں جلا کر موت کی سزا دے دی تو اس کے بعد آئمہ اطہار علیہ السلام کے ماننے والوں میں ہی ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا جو یہ کہتا تھا کہ آئمہ اطہار خدا تو نہیں ہیں۔ لیکن خدا نے انہیں پیدا کر کے اور کوئی کام نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں ہر کام کرنے کی قدرت عطا کر کے اپنے تمام کام ان کو سپرد کر دیئے ہیں لہذا ان کے بعد جو کچھ خلق ہوا وہ انہوں نے خلق کیا۔ پس وہی خلق کرتے ہیں وہی رزق دیتے ہیں وہی مارتے ہیں وہی زندہ کرتے ہیں وہی ساری کائنات کی تدبیر کرتے ہیں اور وہی سارے عالم کا نظام چلاتے ہیں۔ یہ گروہ اپنے اس عقیدہ تفویض کی بناء پر مفوضہ کہلاتا ہے۔ پس ایسی تمام روایات جن میں اس طرح کی بات بیان کی گئی ہے کہ خدا نے ان کو اپنے کام سپرد کر دیئے ہیں اور اب وہی خلق کرتے ہیں وہی رزق دیتے ہیں، وہی زندہ کرتے ہیں اور وہی موت دیتے ہیں اور سارے عالم کا نظام وہی چلاتے ہیں۔ آئمہ اطہار علیہم السلام کے ماننے والوں

میں سے ان ہی لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں جنہوں نے عقیدہ تفویض کو ایجاد کر کے اسے رواج دیا۔

ہادیان دین کا وظیفہ

یہ تو آئمہ اطہار علیہم السلام کو خدا یا ان کے بارے میں عقیدہ تفویض رکھنے والوں کا حال تھا لیکن ہادیان دین اپنے مقام پر کار ہدایت میں مصروف رہے۔ چنانچہ جہاں حضرت علی علیہ السلام کے خطبات کا مجموعہ نہج البلاغہ اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کے خطبات ہدایت کا سرچشمہ ہیں وہاں حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسین علیہ السلام نے دعاؤں کی شکل میں ہدایت کی ایک ایسی کتاب صحیفہ کاملہ کے نام سے ہمیں دی ہیں جس میں دین کے وہ رموز جو کسی فلسفہ و منطق کی دلیلوں سے بیان نہیں ہو سکتے تھے انہیں آپ نے دعاؤں کے اندر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ان میں تفویض کے قائلین کے عقیدہ کا رد موجود ہے۔ جبکہ ہمارے پانچویں امام حضرت امام محمد باقر علیہ اسلام نے علوم دین کی تدریس کے عنوان سے لوگوں کو ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ امامت تو چونکہ بنی امیہ اور بنی عباس کی آپس میں جنگ وجدال کا زمانہ تھا اور ان دونوں کو امام علیہ السلام سے تعرض کرنے اور ان کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں تھی لہذا امام علیہ السلام کی طرف رجوع کرنے والوں اور درس ہدایت لینے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔

فلسفہ یونان کا مسلمانوں میں ورود

بنی عباس نے بنی امیہ پر غلبہ پانے کے بعد جب یہ دیکھا کہ لوگ جوق در جوق آئمہ اہل بیت کی طرف علوم دین کے حصول کی غرض سے رجوع کر رہے ہیں تو انہیں نے

اس بات کو بنی عباس کی حکومت کے لئے خطرہ کی بات سمجھا اور اس بات کی فکر میں لگے کہ کسی طرح لوگوں کا آئمہ اہل بیتؑ کی طرف سے رخ موڑ کر دوسری طرف کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے یعنی لوگوں کی توجہ آئمہ اہل بیت کی طرف سے ہٹانے کے لیے فلسفہ یونان کی کتابیں کثیر تعداد میں درآمد کرائیں اور ان کا ترجمہ کرا کر فلسفہ یونان کے درس و تدریس کا آغاز کیا۔ پڑھانے والوں کے لئے باقاعدہ تنخواہیں اور پڑھنے والوں کے لئے باقاعدہ وظائف مقرر کئے اور اس طرح مسلم معاشرہ میں فلسفہ یونان کو رواج دیا تاکہ لوگ آئمہ اہل بیت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اس نئے درآمد شدہ نظریے یعنی فلسفہ یونان کی طرف متوجہ ہوں اور لوگ آئمہ اہل بیت سے ہدایت اور دین کی باتیں سیکھنے کی بجائے فلسفہ یونان پڑھانے والوں کی طرف رخ کریں اور ان کے خیال کے مطابق آئمہ اہل بیت ان کے لئے کوئی خطرہ نہ بن سکیں اور ان کا مورخ ان کے اس کام کو علم دوستی کا ایک کارنامہ قرار دیں۔

مسلم معاشرہ میں فلسفہ یونان کا رواج

بنی عباس کی کوششوں سے مسلم معاشرہ میں فلسفہ یونان نے اتنا رواج پایا کہ فلسفہ کا علم رکھنے والوں کو ہی دانشور سمجھا جانے لگا چنانچہ بارہویں صدی ہجری تک مسلمانوں میں فلسفہ یونان نے اس قدر رواج پایا تھا کہ مسلمانوں میں فلسفہ کے حصول کا شوق بیان کرتے ہوئے علامہ مجلسی اپنی کتاب بحار الانوار میں اس طرح سے لکھتے ہیں کہ:

"ہمارے زمانے میں چونکہ لوگ فلاسفہ کی کتابوں کے مطالعہ کے حریص ہو گئے ہیں اور انہوں نے کتاب خدا (قرآن) اور ارشادات معصومین سے منہ موڑ لیا ہے اور حقائق شرعیہ اصطلاحات فلاسفہ کے ساتھ مخلوط ہو گئی ہیں اور لوگ ان کی خیالی باتوں کی طرف مائل

ہو گئے ہیں لہذا وہ خود بھی گمراہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا ہے۔

(بحار الانوار جلد 14)

اور تیرھویں صدی کے ایک بزرگ عالم حجتہ السلام آیت اللہ فی الانام علیین آقا سید حسینؒ اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ میں مسلمانوں میں فلسفہ یونان کے رواج پانے کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اخوند علیه الرحمه در رساله اعتقادیه میفر ماینـد که اکثر اهل زمان ما بر عقول ناقصه خود استبداد و اعتماد نموده. از آثار اهل بیت علیهم السلام دست کشیده اند. پس جمعی از آنها بمسلک حکماء گرویده اند. آن حکما که گمراه و گمراه کنند هستند و اقرار به. هیچ پیغمبر نرارند و ایمان بکتب منزله نیا روده اند. پس بر عقول فاسده خود تکیه کرده اند و حکماء را پیشوائے خود قرار داده نصوص صحیحه صریحه را تاویل می نمائید از حیث آنکه شبهات ایشان را دلیل قوی پنداشته اند. بسبب حسن ظنی که به یونانی کافر دارند که هرگز اعتقاد درستی و دین و مذهبی استوار ندارند" (حدیقہ سلطانیہ ص69)

یعنی اخوند علیہ الرحمہ (علامہ مجلسی) اپنے رسالہ اعتقادیہ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے اکثر لوگ اپنی ناقص عقلوں پر اعتماد کر کے اہل بیت علیہم السلام کے ارشادات اور احادیث سے دست کش ہو گئے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ فلاسفہ کے مسلک کا گرویدہ ہو گیا ہے حالانکہ فلاسفہ خود گمراہ ہیں اور دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے والے

ہیں اور وہ کسی نبی کی نبوت کا اقرار نہیں کرتے اور نہ ہی وہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں ۔اس گروہ نے اپنی ناقص عقلوں پر بھروسہ کر لیا ہے اور انہوں نے فلاسفہ کو اپنا امام و پیشوا بنالیا ہے ۔لہٰذا وہ صحیح اور صریح احادیث کی بھی تاویلیں کرتے ہیں او وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ فلاسفہ کے شبہات کو قوی دلائل خیال کرتے ہیں کیونکہ یونانی کافروں (فلسفیوں) سے حسن ظن پیدا ہو گیا ہے حالانکہ وہ ہرگز نہ تو صحیح اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ درست دین و مذہب رکھتے ہیں۔

اس کے بعد آقائے علیین مکان حدیقہ سلطانیہ کے اسی صفحہ پر علامہ حلی کے حوالہ سے یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"علامہ حلی علیہ الرحمہ در نہایت المرام فی علم الکلام ، اقوال متشتہ و کلمات متہافتہ بسیار از حکمای ادوار نقل فرمودہ ، چنانچہ عبارت آں مقام در کتاب مستطاب عماد السلام با تمام مسطور است ، و مخالفت آں بہ عقل و نقل واضح است ، من شاء فلیرجع الیہ و عمدہ اسبابت ضلالت و گمراھی جمعی از فاضل مدققین کہ بہ بیماری تصوف مبتلی گردیدہ اند استغراق شاں در اصول فلاسفہ و الف و اسینا س بکلمات حکمای اشرافیہ و مشائیہ گرویدہ و چنانکہ بر ناقد بصیر و متبع خبیر پوشیدہ نیست ، تاآنکہ گفتہ اند کہ تصوف از حکمت اشراق تفاوت نمی کند مگر ایں قدر کہ اگر در ظاہر تابع شرع باشد صوفی است و اگر بنباشد حکیم اشراقی و طائفہ از علمائے شیعہ و سنی

تطبیق اصول دینیه با اصول فلسفه می خواهد و مردم را از راه مستقیم می برند"

(حدیقہ سلطانیہ صفحہ 69-70)

یعنی حضرت علامہ حلی علیہ الرحمہ نے کتاب نہایت المرام فی علم الکلام میں فلاسفہ کے پراگندہ اقوال اور ایک دوسرے سے متضاد کلمات بکثرت نقل کیے ہیں چنانچہ اس کتاب کی وہ عبارت کتاب مسطاب عماد الاسلام میں پوری کی پوری منقل ہے اور اس کا عقل و نقل ہر دو کے خلاف ہونا واضح ہے۔ جو شخص دیکھنا چاہے وہ کتاب عماد الاسلام کی طرف رجوع کرے اور افاضل مدققین کی ایک جماعت جو تصوف کی بیماری میں مبتلا ہوگئی ہے ان کی گمراہی اور ضلالت کا سب سے بڑا سبب ان کا اصول فلسفہ میں مستغرق ہونا ہے اور اشراقی اور مشائیہ فلاسفہ کے کلمات و اقوال کے ساتھ انس اور الفت حاصل کر لینا ہے جو کسی بھی با بصیرت نقاد اور حقیقت کے متلاشی باخبر شخص پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے یہاں تک کہ انھوں نے فرمایا کہ تصوف اور فلسفہ اشراقیہ میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ جو شخص ظاہری شریعت کے تابع ہو تو وہ صوفی ہے اور اگر وہ اتباع شریعت نہ کرے تو وہ اشراقی فلسفہ ہے۔ اور علمائے شیعہ اور علمائے اہل سنت کی ایک جماعت اصول دین کی اصول فلسفہ سے مطابقت پیدا کرنے میں لگی ہوئی ہے اور وہ لوگوں کو صراط مستقیم سے منحرف کر رہے ہیں۔

علامہ مجلسیؒ اور علامہ حلیؒ اور آقائے علیین مکان السید حسین اعلی اللہ مقامہ کے مذکورہ بیانات سے معلوم ہوا کہ فلسفہ کی اس بیماری میں بہت سے علماء شیعہ اور بہت سے علماء اہل سنت دونوں ہی مبتلا ہوگئے ہیں اور انھوں نے اصول دین کو اصول فلسفہ کے مطابق ڈھال کر بالکل ہی بدل دیا ہے اور انھوں نے لوگوں کو صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کر دیا ہے اور اس طرح بہت سے مسلمانوں کا اسلام، دین اسلام نہیں بلکہ دین فلسفہ ہو گیا ہے۔

فلاسفہ یونان کا نظریہ

اس سے پہلے کہ یہ بیان کیا جائے کہ قرآن کریم اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی نظر میں تخلیق کائنات کس طرح ہوئی یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر بیان کردیا جائے کہ فلاسفہ یونان تخلیق کائنات کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں۔

فلاسفہ یونان جو کسی نبی کو نہیں مانتے اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء صرف ناقص العقل لوگوں کے لیے آئے تھے ان کے لئے نہیں۔لہذا انھوں نے اپنی عقل کو کامل سمجھتے ہوئے تخلیق کائنات کا ایک خیالی فلسفہ پیش کیا اور وہ اصول جو انہوں نے پیش کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدائے واحد کو ایک ایسا واحد مانتے ہیں جس سے واحد ہونے کی وجہ سے سوائے ایک چیز کے اور کوئی چیز صادر نہیں ہوسکتی۔فلاسفہ یونان کا وہ معروف اصول یہ ہے''الواحد لا یصدر عن الا الواحد''یعنی اس چیز سے جو واحد ہے سوائے ایک چیز کے اور کوئی چیز صادر نہیں ہوسکتی اور صادر ہونے کا مطلب کسی چیز کا کسی چیز کے اندر سے صادر ہونا یا نکلنا ہے۔اور جس چیز سے کوئی چیز نکلے اسے فلسفہ کی اصطلاح میں علت کہتے ہیں اور جو چیز نکلے اسے معلول کہتے ہیں، جیسے سورج سے شعاعوں کا نکلنا، یا آگ سے حرارت کا نکلنا، اور علت ناچار و مجبور و مضطر و بے ارادہ و اختیار ہوتی ہے اور معلوم علت کے ساتھ لاینفک ہوتا ہے یعنی کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا پس اگر علت قدیم ہو تو اس کا معلول بھی قدیم ہوگا۔اسی وجہ سے فلاسفہ یونان عقل اول کو جسے وہ معلول اول کہتے ہیں جو ہر مجرد اور قدیم مانتے ہیں۔

بہر حال فلسفہ یونان کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ خدائے واحد میں سے ایک چیز سے زیادہ صادر نہیں ہوسکتی پس وہ ایک چیز سے زیادہ کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اور

یہ پیدا کرنا بھی علت ومعلول کی حیثیت سے بطور صدور کے ہے جیسے سورج سے شعاعوں کا نکلنا جیسے آگ سے حرات کا نکلنا، پس خدا علت ہونے کی حیثیت سے قادر مختار اور فاعل بااراد ہ نہیں ہے یعنی خدا مجبور ومضطرو بے ارادہ واختیار ہے پس وہ خدا کی عمومی قدرت کے قائل نہیں ہیں جس کا قران اوراسلام مدعی ۔ یہ فلسفہ جب دوسرے مذاہب میں داخل ہواتو انہوں نے فلسفہ یونان کےاس نظریہ کوتو برقرار رکھا کہ"الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد"البتہ اس صادراول کےنام کواپنے عقیدہ کے مطابق قرار دےلیا۔

اس فلسفہ یونان کوجس کااصول اور بنیادی نظریہ اوپر بیان ہواجب نصاریٰ نے اپنایا توانہوں نے فلاسفہ کےصادراول یعنی عقل کی بجائے حضرت عیسیٰ کوصادراول کہااور حضرت عیسیٰ کوساری کائنات کا خالق بتایا پھر جب یہ فلسفہ مملکت اسلامی میں درآمد کیا گیاتو انہوں نے اس فلسفہ میں ترمیم کرکے اسے مشرف بااسلام کیا پھر جب شیعہ دانشوروں نے اسے اپنایاتو اسی فلسفہ کومشرف بہ تشیع کرلیااور جب شیعہ علماء نے اس فلسفہ اورنظریہ پرکفر کےفتوے صادر کیےتو اسی فلسفہ کوشیخ احمد احسائی نے ایک جدید انداز میں ترمیم کرکےفلسفہ یونان سے زیادہ مطابق بنا کر پیش کیا جس میں صادراول کےنام کےسوا فلسفہ یونان کی پوری پوری روح موجود ہے۔جسے فلسفہ تخلیق کائنات درنظر قرآن بیان کرنے کےبعد بیان کیاجائے گالہٰذا اب ہم اس کتاب کےاصول موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

کائنات کی خلقت سے پہلے کا حال

حجتہ الاسلام آیت اللہ فی الانام آقائے سید حسین علیین مکان اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ میں اقوال فلاسفہ کی رد میں حضرت علی علیہ السلام کی ایک دعا نہج الدعوات کےحوالہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔آپ نے فرمایا

" وانت لا الـه الا انت كـنـت اذلـم تـكن سماء مبنية ولا ارض مـدحية و لا شمس مضية ولا ليل مظلم و لانهار مضئى و لا بحر لجى و لا جبـل راس ولا نـجـم سـار ولا قمر منير ولا ريح تهب ولا سحاب يسكب ولا بـرق يـلـمـع ولا نـار تتـوقـد ولا ماء يطرد قبل كل شئي و ابتدعت كل شيء." (حدیقہ سلطانیہ ص 68)

ترجمہ: ''تو ہی وہ بے مثل و بے مثال خدا ہے کہ تیرے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے تو اس وقت بھی موجود تھا جب کہ نہ یہ آسمان کا نیلگوں شامیانہ تھا۔ نہ زمین کا فرش خاکی بچھایا گیا، نہ ضیاء پاشی کرنے والا آفتاب پیدا ہوا تھا نہ تاریک رات کا کہیں وجود تھا اور نہ ہی یہ روشن دان وجود میں آیا تھا نہ ٹھاٹھیں مارنے والا سمندر تھا نہ زمین میں گڑے ہوئے پہاڑ تھے، نہ رواں دواں ستارے تھے۔ نہ یہ نورانی چاند تھا نہ چلتی ہوئی ہوا تھی نہ برستا ہوا بادل تھا نہ چمکتی ہوئی بجلی تھی نہ جلتی ہوئی آگ تھی نہ جاری اور بہنے والا پانی تھا غرض کچھ نہ تھا مگر تو ان تمام چیزوں سے پہلے موجود تھا اور تو نے ہی ہر شے کو خلق کیا ہے''۔

اس کے بعد آقائے علیین مکان حدیقہ سلطانیہ کے اسی صفحہ پر نہج البلاغہ سے امیر المومنینؑ کے ایک اور خطبہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امیر المومنین نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا۔

" الـمـعـروف مـن غيـر روية و الخالق غير روية ، والذى لم يذل قـائـمـاً دائماً اذلا سماء ذات ابراج و لاحضب ذات ارتاج داج ول ابحر سـاج و لا جبـل ذو فـجـا ج و لا فـج ذواعـوجا ج ولا ارض ذات مهاد ولا خلق ذو اعتاد ذالک متبدع الخلق و وارجه واله خلق و رازقه "

(حدیقہ سلطانیہ ص 68)

یعنی وہ خدا کہ جس کی بغیر دیکھے معرفت وشناخت حاصل ہے اور جو بغیر تفکر اور سوچ بچار کے پیدا کرنے والا ہے وہ خدا جو ہمیشہ قائم ودائم ہے وہ اس وقت سے موجود ہے جبکہ نہ برجوں والا یہ آسمان موجود تھا اور نہ ہی دروازوں والے حجابات موجود تھے نہ تاریک رات تھی نہ ساکن سمندر تھا نہ رواں دواں پہاڑ تھے نہ ٹیڑھے راستے تھے نہ بچھائی ہوئی زمین تھی اور نہ ہی کوئی ایسی مخلوق تھی جس پر سہارا لیا جاسکتا ہو غرض ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز موجود نہ تھی مگر خدا موجود تھا یہی ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کا وارث اور مالک ہے اور یہی ساری مخلوق کا الہ اور اس کا رازق ہے۔

اور دعائے یستشیر میں جسے حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے اس طرح سے بیان ہوا ہے۔

"کنت قبل کل شیء و کونت کل شیء و قدرت علیٰ کل شیء و ابتدعت کل شیء" (مفاتیح الجنان صفحہ 77)

"یعنی اے خدا تو ہر چیز سے پہلے موجود تھا اور تو نے ہی ہر چیز کو پیدا کیا ہے تو ہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور تو نے ہی ہر چیز کو ابدا کر کے نئے سرے سے پیدا کیا ہے جس کی پہلے سے کوئی مثال موجود نہ تھی۔

اور امام زین العابدین علیہ السلام دعائے روز دوشنبہ میں ارشاد فرماتے ہیں

" الحمد لله الذی لم یشهد احدا حین فطر السمٰوات و الارض ولا اتخذ معیناً حین برا السمات لم یشارک فی الالهیة ولم یظاهر فی الوحدانیة" صحیفہ کاملہ ترجمہ مفتی جعفر حسین ص 442

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں کہ جب اس نے زمین وآسمان کو خلق فرمایا تو کسی کو اس کا گواہ نہیں بنایا اور جب جانداروں کو پیدا کیا تو اپنا کوئی مددگار نہیں ٹھہرایا۔

الوہیت میں کوئی اس کا شریک اور وحدت (وانفرادیت میں مخصوص ہونے) میں کوئی اس کا معاون نہیں ہے۔

فلسفہ تخلیق کائنات درنظر قرآن

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ فلاسفہ یونان خدا کو علت قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا میں سے ایک چیز کے سوا اور کوئی چیز صادر نہیں ہو سکتی وہ ایک چیز جو خدا سے صادر ہوئی یا نکلی اسے وہ عقل اول کہتے ہیں اور اسے وہ جو ہر مجرد اور ساری کائنات کا خالق مانتے ہیں اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ علت ناچار و مجبور و مضطر و بے ارادہ و بے اختیار ہوتی ہے لیکن اسلام اور قرآن خدا کو علت نہیں بلکہ اسے صاحب ارادہ اور قادر و مختار جانتے ہیں اور اس کی قدرت کو صرف ایک چیز کے لئے نہیں بلکہ ہر چیز کے لئے عمومی مانتے ہیں جیسا کہ خود خدا نے فرمایا" **ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر**"

"بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"

اور اس قادر مطلق نے کائنات کی خلقت کا ابتدا کا حال خود قرآن مجید میں اس طرح سے بیان فرمایا ہے۔

" و ھوالذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستتہ ایام و کان عرشہ علی الماء لیبلوکم ایکم احسن عملاً" (ھود۔7)

"اور وہ اللہ ہی تو ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (مرحلوں) میں خلق کیا (آسمان و زمین کی خلقت سے پہلے) اس کا عرش (یعنی اقتدار) پانی کے اوپر ہی تھا (اور آسمان و زمین کو خلق کرنے کی غرض و غایت یہ تھی) تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے بہترین عمل کرنے والا کون ہے"

اس آیت میں لفظ '' لیبلوکم '' کا واضح مطلب یہ ہے کہ انسان ہی خدا کی خلقت کا وہ اصل شاہکار ہے جس کی خاطر اس نے ساری کائنات کو خلق کیا ہے گویا اس وقت جب آسمان نہ تھا نہ زمین تھی نہ چاند تھا نہ سورج تھا نہ ستارے تھے اس وقت اس کے علم ازلی میں یہ تھا کہ وہ انسان کو پیدا کرے گا جو صاحب عقل و شعور ہو گا جو صاحب ارادہ واختیار ہو گا اور وہ اس کی خلقت کا شاہکار ہو گا وہ اس کی مخلوق میں سب سے افضل ہو گا وہ اس کی مخلوق میں سب سے اشرف ہو گا۔ لہذا اس نے اس انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی راحت و آرام کی خاطر اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے، ساری کائنات کو پیدا کیا تا کہ انہیں آزمائے کہ ان میں سے سب سے اچھا اور سب سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے؟ بالفاظ دیگر انسان ہی ہدف خلقت، غرض آفرینش اور علت غائی کائنات ہے۔

اور **وکان عرشہ علی الماء** کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالٰی نے جس وقت کائنات کی خلقت کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے اس نے پانی کو خلق فرمایا چونکہ پانی سے پہلے اور کوئی مخلوق خلق شدہ نہیں تھی لہذا پانی کی خلقت کے بعد خدا کا عرش یعنی اقتدار پانی ہی کے اوپر تھا جیسا کہ اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

چنانچہ تفسیر قمی میں ہے کہ یہ ذکر ابتدائے خلقت کا ہے کافی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند تعالٰی نے کل چیزوں کو اپنے علم سے نیا پیدا کیا۔ بلا اس کے کہ اس کی کوئی مثال پہلے سے موجود ہو۔ چنانچہ آسمانوں کو اور زمین کو بالکل نیا پیدا کیا حالانکہ قبل اس کے نہ کوئی آسمان تھا اور نہ زمین۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ خداوند تعالٰی فرماتا ہے کہ: "**وکان عرشہ علی الماء**" (حاشیہ مقبول ترجمہ)

اسی حاشیہ پر اس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ

حدیث قمی میں ہے کہ وہ پانی ہوا پر تھا اور ہوا کی کوئی حد نہ تھی اور ان دو چیزوں کے

سوا اس وقت کوئی اور مخلوق نہ تھی اور وہ پانی میٹھا اور صاف تھا۔ (حاشیہ مقبول ترجمہ ص 44)

اور تفسیر بتیان میں ''ثم استوری الی السماء'' کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

" قولہ ثم استوری السماء " یغیذ انہ خلق السماء بعد خلق الارض و خلق الاقوا فیھا ...... و انما جعل اللہ السموت اولاد خانا ثم سبع سموٰت طباقا ثم زینھا بالمصابیع " (التبیان جلد 9 صفحہ 110)

''یعنی خداوند تعالیٰ کے اس قول کا کہ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آسمان کو زمین اور اقوات کو پیدا کرنے کے بعد خلق فرمایا اور خدا نے پہلے آسمانوں کو دخان یا بخارات بنایا پھر ان کو سات آسمان طبق در طبق بنائے پھر آسمان کو چراغوں کے ساتھ مزین کیا''۔

اور تفسیر فصل الخطاب میں ''**وکان عرشہ علی الماء**'' کی تفسیر میں یوں لکھا ہے

''پہلا جزو تو متعدد مرتبہ آچکا ہے اس کے بعد خاص چیز یہ ہے کہ اس کا عرش پانی پر تھا یعنی آسمان و زمین کی خلقت کے پہلے اس سے ظاہر ہے کہ کچھ اسلامی علمائے ریاضی کا یہ تصور کہ عرش قرآن نے آسمان ہفتم یعنی افلاک الافلاک ہی کو کہا ہے درست نہیں ہے بلکہ قرآن بتا رہا ہے کہ جب آسمان نہ تھے تب بھی عرش تھا اور وہ پانی پر تھا اس سے ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ عرش اس طرح سے جسمانی قسم کی چیز نہیں ہے جسے ہم مادی نوعیت میں تبدیل کریں بلکہ جلال و جبروت الٰہی کا بلندترین مرکز جو کائنات پر حاوی ہے وہی عرش ہے اور اسی سے یہ ظاہر ہو گیا کہ آسمان اور زمین کے پہلے کائنات میں پانی تھا یہ نہج البلاغہ میں جو تخلیق عالم کی کیفیت بیان ہوئی ہے اس سے بالکل مطابق ہے۔[1]

''تا کہ تمہیں آزمائے اس کا تعلق کا ہے سے ہے، ایک خیال یہ ہے کہ اس کا تعلق محذوف ہے۔ یعنی آسمان و زمین کی تخلیق کے بعد پھر تمہیں پیدا کیا تا کہ تمہیں آزمائے[2] مگر

یہ محذوف جزو چونکہ سلسلہ کلام سے سمجھ میں نہیں آتا اس لیے وہ اصول تکلم کے خلاف معلوم ہوتا ہے دوسری تشریح یہ ہے کہ یہ سب چیزیں میں نے اس لئے پیدا کی ہیں کہ تمہاری آزمائش کی جائے تا کہ تم اس سب سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہو یہ معنی ظاہر الفاظ سے زیادہ قریب الفہم معلوم ہوتے ہیں" (تفسیر فصل الخطاب جلد 4 ص 116)

اور تفسیر درِ نجف میں "وکان عرشہ علی الماء" کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش سے پانی اور عرش پہلے تھے اور نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جہاں ابتدائے خلق عالم کا واقع بیان فرمایا ہے اس میں بھی یہی ہے کہ خدا نے ہوا کو پیدا کیا جس نے پانی میں تلاطم پیدا کر کے جھاگ بنائی اور وہ منجمد ہو کر زمین بنی اور زمین کے بخارات اڑ کر آسمان بنے۔ چونکہ باقی سب کائنات کی خلقت کی ابتدا پانی سے ہوئی تو عرش کا پانی کے اوپر ہونے کا مقصد شاید یہ ہوا کہ خدا کی سلطنت وحکومت اس پر محیط وغالب ہے۔

(تفسیر درِ نجف جلد 7 صفحہ 196-197)

اور تفسیر عمدۃ البیان میں "وکان عرشہ علی الماء" کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

"اور تھا پہلے پیدا کرنے آسمانوں اور زمین سے عرش اس کا اوپر پانی کے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی آسمانوں اور زمین سے پہلے پیدا ہوئے ہیں اور پانی بعد عرش کے سب چیزوں سے پہلے پیدا ہوا۔ (تفسیر عمدۃ البیان جلد 2 صفحہ 50)

اور تفسیر عمدۃ البیان میں ہی " ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنھما" کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

تھا عرش اس کا پانی پر اور پانی ہوا پر اور ہوا چلتی نہ تھی اور سوائے ان دونوں کے اس روز کوئی اور خلقت نہ تھی اور پانی اس روز شیریں تھا۔ جس وقت خدا نے ارادہ کیا کہ

زمین کو پیدا کروں تو ہواؤں کو حکم کیا انہوں نے پانی میں جھوکے لگائے۔ یہاں تک کہ پانی میں ایک موج پیدا ہوئی اور پھر جوش کر کے ایک کف ہوگیا۔ پس باہر نکلا اس موج اور کف کے درمیان سے دخان روشن بدون آگ کے پاس پیدا کیا اس سے آسمانوں کو اور پیدا کئے اس میں بروج ستارے اور منزلیں آفتاب اور ماہتاب کی اور جاری کیاں ان کو آسمانوں پر اور ہے آسمان سبز مثل رنگ پانی سبز کے اور ہے زمین بر نگ غبار مثل رنگ، پانی شیریں کے اور دونوں بستہ تھے ان میں دروازے نہ تھے۔ آسمان کو تو باران سے پھاڑا اور زمین کو روئیدگی سے پھاڑا'' تفسیر عمدۃ البیان جلد 2 صفحہ 355-356

اور اہل سنت کی معروف تفسیر عثمانی میں ''و کان عرشہ علی الماء'' کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

''یعنی آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پانی مخلوق ہوا جو آئندہ اشیاء کا مادہ حیات بننے والا تھا۔ اس وقت عرش خداوندی اسی کے اوپر تھا جیسے اب سماوات کے اوپر ہے گویا یہ ایک صورت تھی جو اس حقیقت کو ظاہر کر رہی تھی کہ کائنات کا مادہ اور ذریعہ حیات بالکلیہ رب العرش کے تسلط اور تصرف اور قبولیت مطلقہ کے ماتحت ہے۔

(تفسیر عثمانی ف ۶ صفحہ ۲۸۷)

پھر اسی آیت کے آخری حصہ ''لیبلوکم ایکم احسن عملا'' کی تفسیر میں اس سے آگے یوں لکھا ہے کہ:

یعنی اس سارے نظام کی تخلیق و ترتیب سے مقصود تمہارا یہاں بسانا اور امتحان کرنا ہے کہ کہاں تک اس عجیب و غریب نظام اور سلسلہ مصنوعات میں غور کر کے خالق و مالک کی صحیح معرفت حاصل کرتے اور مخلوقات ارضی و سماوی سے منقطع ہو کر محسن شناسی اور سپاس گزاری کا فرض بجالاتے ہو یہ نظام تمہاری سخت آزمائش کا ہے، مالک حقیقی دیکھتا ہے کہ تم

میں سے کونسا غلام صدق واخلاص میں سلیقہ سے اچھا کام کرتا ہے اور فرائض بندگی سرانجام دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی 6 صفحہ 287)

اور تفسیر بتیان میں ''واللہ خلق کل دابۃ من ماء'' کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

انما قال (من ماء) لا ن اصل الخلق من ماء ثم قلب الیٰ النار فخلق الجن منه ، والی الریح ، فخلق الملائکة منه ، ثم الی الطین فخلق آدم (ع) "

(تفسیر التبیان جلد 7 صفحہ 448)

یعنی خدا نے جو (من ماء) کہا ہے تو سوائے اس کے نہیں کہ یہ اس لئے کہا ہے کہ کیونکہ تمام مخلوقات کی اصل پانی سے ہے پھر (کچھ عرصہ بعد) اسی پانی کو آگ میں بدلا پس اس آگ سے جنوں کو خلق فرمایا اور اسی پانی کو ہوا میں بدلا، پس اس ہوا سے ملائکہ کو خلق فرمایا اور اسی پانی کو مٹی میں بدلا پس اس سے آدم علیہ السلام کو خلق فرمایا۔

انسان ہی ساری کائنات کی علت غائی ہے

ارشاد رب العزت ہے

" ھل اتی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکورا " (الدھر:1)

یقیناً انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ وہ کوئی چیز نہ تھا جس کا ذکر بھی ہو۔

مجمع البیان میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ علم میں مذکور تھا خلق میں مذکور نہ تھا۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کی خلقت سے پہلے نہ صرف اس کے آرام وآسائش اور اس کی ضروریات زندگی کی تمام چیزیں خلق فرمائیں بلکہ ان کا ایک ایسا نظام قائم کیا جس

میں غور وفکر کے وہ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کر سکے اور رب کی بندگی اور اس کی نعمتوں کا شکر کیا گیا تھا اور دوسرے اس کی معنوی ضروریات کو بھی پورا کرنے والا تھا۔یعنی خدا نے چاہا کہ اس کی یہ مخلوق خلقت کا عظیم شاہکار ہو جو صاحب عقل وشعور ہو جو صاحب ارادہ واختیار ہو اور اپنی خواہشات کے ذریعہ بڑی صلاحیتوں اور استعدادوں کا مالک ہو۔

اس کی ساری مخلوق میں یہ سب سے افضل ہو اور سب سے اشرف ہو۔ساری کائنات اس کے لئے ہو اور وہ صرف خدا کے لیے ہو جیسا کہ فرمایا:

''وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'' (الذاریات:56)

''یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر صرف اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

ساری کائنات انسان کے لئے خلق کی گئی ہے

قرآن کریم کی بہت سی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خداوند تعالی نے ساری کائنات کو انسان کے لئے خلق فرمایا ہے۔ہم نمونہ کے طور پر صرف چند قرآنی آیات ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

نمبر 1:''ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً'' (البقرہ:29)

اللہ وہی ہے تو کہ جس نے وہ سب کچھ کہ جو زمین میں ہے سب تمہارے ہی لئے خلق کیا ہے۔

نمبر 2: ''ھوالذی جعل لکم الیل لتسکنوا فیہ والنھار مبصراً ان فی ذالک لآیات لقوم یسمعون'' (یونس۔67)

''اللہ وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے لئے رات کو اس لئے بنایا تا کہ تم اس میں

آرام وسکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا (تا کہ تم اس میں اپنے کام کرسکو) بیشک اس میں سننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں"

نمبر3: "ھوالذی انزل من السماء ماء لکم منه شراب و منه شجر فیه تسیمون" (النحل۔10)

"اللہ وہی تو ہے جس سے تمہاری ضرورت پوری کرنے کے لئے آسمانوں سے پانی نازل کیا جس میں تم پیتے بھی ہو اور اسی سے اپنے درختوں اور فصلوں کی آبیاری کرتے ہو، جن میں سے تم اپنے مویشیوں کو چراتے ہو"۔

نمبر4: "وسخر لکم اللیل و النھار و الشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره ، ان فی ذالک لا یات لقوم یعقلون" (النحل۔12)

"اور اس (اللہ) نے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند اور ستاروں کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے (جو رات دن تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں) یہ سب کے سب اسی کے حکم کے تابع (تمہاری خدمت بجا لا رہے ہیں) بیشک عقل رکھنے والوں کے لئے اس میں خدا کی قدرت اور اس کے وجود کی نشانیاں موجود ہیں"

نمبر5: وما ذرالکم فی الارض مختلفاً الوانه ان فی ذالک لا یة لقوم یذکرون۔ و ھوالذی فضله و لعلکم تشکرون ۔ والقیٰ فی الارض رواسی ان تمیدبکم وانھاراً و سبلالعلکم تھتدون و علامات وبالنجم ھم یھتدون ۔ افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون ، وان تعدوا نعمت الله لا تحصوھا ان الله غفور الرحیم" (النحل 13 تا 18)

اور اس نے تمہارے نفع کے لئے جو کچھ زمین میں پیدا کیا ہے وہ رنگ برنگ ہے ۔ بیشک اس میں یاد رکھنے والوں، نصیحت اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے خدا کی

قدرت اور اس کے وجود کی نشانی موجود ہے۔

اور اللہ وہی ہے جس نے سمندر کو تمہارا مطیع کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ تازہ گوش نکال کر کھاؤ اور اس میں سے زیور کی چیزیں (موتی و مونگے) نکال کر پہنو۔

اور تم دیکھتے ہو کہ جہاز اس (سمندر) کو چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اس میں سمندر اور ان جہازوں کو تمہارا مطیع کر دینے کی غرض یہ ہے کہ تم (اس میں سے تازہ گوشت کھانے کے لئے نکال کر اور زیورات کی چیزیں موتی اور مونگے وغیرہ اس میں سے نکال کر اور اس کے ذریعہ دور دراز کے علاقوں میں تجارت کر کے) خدا کے فضل کے خواستگار رہو اور تا کہ تم شکر گذار رہو۔

اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ اس لیے قائم کئے ہیں تا کہ وہ تمہیں لے کر کسی اور طرف نہ جھک جائے اور تمہارے لئے ندیاں اور راستے بنائے تا کہ تم راہ پاؤ اور اس میں علامتیں مقرر کر دیں اور (اس طرح) ایک مقررہ ستارے کے ذریعہ سے لوگ راہ پا لیتے ہیں۔ کیا وہ (خدا) جو خلق کرتا ہے وہ اس کے مانند ہو سکتا ہے جو کچھ بھی خلق نہیں کر سکتا کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو گے تو تم اسے پورا پورا نہ گن سکو گے بیشک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

نمبر 6: "وھو الذین جعل لکم اللیل لباساً و النوم سباتاو جعل النھار نشوراً" (الفرقان۔47)

"اور اللہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کا پردہ بنایا اور نیند کو تمہارے لئے راحت پہنچانے والی اور تھکان اتارنے والی بنایا اور دن کو کام کاج کے لئے چلنے پھرنے کا ذریعہ بنایا"۔

نمبر 7: "الم تروان اللہ سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض واسبغ

علیکم نعمتہ ظاھرہ و باطنہ'' (لقمان۔20)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ان سب کو تمہارا مطیع کر دیا (اور وہ تمہارے فائدے کے کاموں میں مصروف ہیں) اور اللہ نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی، کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی ساری نعمتیں پوری کر دی ہیں''

نمبر8: "اللہ الذین جعل لکم الیل لتسکنوا فیہ والنھار مبصراً ، ان اللہ لذو فضل علی الناس والکن اکثر الناس لا یشکرون ، ذالکم اللہ ربکم خالق کل شئی لا الہ الا ھو فانیٰ توفکون" (المومن۔60تا62)

''اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات اس لئے بنائی کہ تم اس میں آرام و سکون حاصل کرو اور دن کو دکھانے والا بنایا (تا کہ تم اس میں اپنے کام کاج کرو) بیشک اللہ تمام لوگوں پر بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا اور کوئی الہ نہیں ہے پس تم کدھر بہکے ہوئے چلے جاتے ہو۔

نمبر9: "اللہ الذین جعل لکم لارض قراراً والسماء بناء و صورکم فاحسن صورکم و رزقم من الطیبات ذالکم اللہ ربکم فتبارک اللہ رب العالمین'' (مومن:64)

''اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو جائے قرار بنایا اور آسمان کا شامیانہ بنایا اور تمہاری صورت بنائی پس تمہاری صورتیں کیسی اچھی بنائی ہیں اور تم کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دی ہیں یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سو اللہ تمام عالموں کا پروردگار بڑا برکتوں والا ہے۔''

نمبر10: "قل ء انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین و تجعلون لہ

انداداً ذالک رب العالمین و جعل فیھا رواسی من فوقھا و بارک فیھا و قدر فیھا اقواتھا فی اربعہ ایام سواء للسائلین۔ ثم استویٰ الی السماء و ھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعاً او کرھاً۔ قالتا اتینا طاعین فقضھن سبع سمٰوت فی یومین و اوحیٰ فی کل سماء امرھا و زینا السماء الدنیا بمصابیح و حفظا ذالک تقدیر العزیز العلیم" (حٰم السجدہ۔9 تا 12)

اے رسول تم یہ کہہ دو کہ کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور تم اس کے لئے شریک قرار دیتے ہو، تمام عالموں کا پرورش کرنے والا وہی تو ہے اور اس نے زمین میں بڑے بڑے بوجھل پہاڑ اوپر کی طرف سے قائم کر دیئے۔ اور اسی نے زمین میں برکت رکھ دی اور اسی نے اس میں چار دن (دو دن زمین کے پیدا کرنے کے اور دو دن قوت بسری کا سامان پیدا کرنے کے) کے عرصہ میں ان کی قوت بسری کے سامان اندازے سے مقرر کر دیئے جو سب حاجت مندوں کے لئے برابر ہیں۔

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا حالانکہ وہ اس وقت دھواں تھا۔ پس اس نے آسمان و زمین کو حکم دیا کہ تم بخوشی یا بکراہت حاضر ہو۔ دونوں نے عرض کی ہم بخوشی حاضر ہیں۔ پس اس نے دو دن میں ان کو سات آسمان بنا دیا اور ہر ہر آسمان میں بذریعہ وحی اس کے مناسب حال کا حکم پہنچا دیا اور سب سے نیچے والے آسمان کو ہم نے (ستاروں) کے چراغوں سے زینت دی اور اس کی نگہبانی (بھی کی) یہ زبردست صاحب علم کی تقدیر (اندازہ گیری) ہے۔

نمبر 11: "و سخر لکم ما فی السمٰوت وما فی الارض جمیعاً منہ ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون" (الجاثیہ:12)

"اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ان سب کو اپنے فضل سے

تمہارے لئے مسخر کردیا ہے (اوران سب کوتمہارے فائدے کے کاموں میں لگا دیا ہے) اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جوغوروفکر کرتے ہیں (خدا کی قدرت اوراس کے وجودکی) نشانیاں موجود ہیں''

نمبر12: امن خلق السموٰت والارض وانزل من السماء ماء فانبتنا به حدائق ما كان لكم ان تنبتوا شجرها ءاله مع الله بل هم قوم يعدلون

امن جعل الارض قراراً و جعل خللها انهارا لها رواسي ، و جعل بين البحرين حاجزاً ء اله مع الله بل اكثرهم لا يعلمون .

امن يجيب المضطر اذ دعاه و يكشف السوء ويجعلكم خلفاء الارض ء اله من الله قليلاما تذكرون "

امن يهديكم في ظلمت البر و البحر من يرسل الرياح بشراً بين يدى رحمته ء اله مع الله تعالىٰ عما يشكرون ''

امن يبدو الخلق ثم يعيده و ثم يرزقكم من السماء والارض ء اله مع الله قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين '' (النمل 60 تا 64)

آیا کون ہے وہ جس نے آسمانوں کواور زمین کو پیدا کیااورتمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا پھرہم نے اس کے ذریعہ سے بارونق باغات پیدا کردیئے ۔تم میں تو یہ قدرت نہ تھی کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگا لو۔کیا خدا کے ساتھ اور بھی کوئی الٰہ ہے (ہے تونہیں)لیکن یہ لوگ حق سے منحرف ہورہے ہیں۔

آیا وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایااوراس کے بیچوں بیچ ندی نالے اوردریا بہادیئے اوراس کے لئے بڑے بھاری بھاری پہاڑ مقرر کردیئے اوردو دریاؤں کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا آیا خدا کے ساتھ اوربھی کوئی الٰہ ہے (ہے تونہیں) مگران میں

سے بہت سے نہیں جانتے۔ آیا ہو کون ہے جو مضطر کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اسے دعا مانگتے اور تکلیف و مصیبت کو رفع کر دیتا ہے اور تم کو زمین کو وارث بنا دیا ہے آیا خدا کے سوا اور کوئی الہ ہے۔

آیا وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کی اندھیریوں میں تمہاری رہبری کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیج دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور بھی الہ ہے۔ جن چیزوں کو یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں اللہ ذات اس سے بلند و برتر بڑی ہے۔

آیا وہ کون ہے جو خلقت کی ابتدا کرتا ہے پھر وہ اس کو دوبارہ پھیر دیتا ہے کیا خدا کے ساتھ اور بھی کوئی الہ ہے۔ تم کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو (تم اپنی صداقت ثابت کرنے کے لیے) اپنی دلیل پیش کرو۔

قرآن کریم میں اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ لیکن ہم نے صرف بارہ مقامات سے جن آیات کا انتخاب کیا وہ یہ ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ خداوند تعالٰی نے اس ساری کائنات کو اور اس کی تمام مخلوق کو صرف انسان کے فائدے کے لیے خلق فرمایا ہے اور انسان ہی ساری کائنات کی علت غائی ہے۔

بارہیں مقام پر ہم نے سورہ نمل کی 5 آیت از آیت نمبر 60 تا 64 پیش کی ہیں۔ ان آیات میں خدا نے ان چیزوں کا اور ان باتوں کا ذکر کیا ہے کہ جن کو اس نے انسانوں کے لیے کیا ہے اور یہ بیان سوال کے رنگ میں ہے کہ بتلاؤ تمہارے لئے یہ کام کس نے کئے ہیں؟ زمین و آسمان کو کس نے خلق کیا؟ آسمان سے پانی کس نے برسایا؟ ہرے بھرے باغات اور سبزہ اور فصلیں کس نے اگائیں؟ زمین کو انسانوں کی جائے قرار کس نے بنایا۔ زمین می ندی نالے اور دریا کس نے بہائے؟ زمین میں بڑے بڑے اور بوجھل پہاڑ کس

نے قائم کیے؟ پریشان حال اور مصیبت زدہ لوگوں کی دعاؤں کو کون قبول کرتا ہے؟ اور تمہاری مصیبت اور تکالیف کو کون ٹالتا ہے اور تمہیں دوسرے لوگوں کا زمین میں وارث کون بناتا ہے؟ خشکی وتری میں تمہاری رہنمائی کون کرتا ہے؟ بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کو کون بھیجتا ہے؟ ساری مخلوق کو نئے سرے سے پیدا کون کرتا ہے؟ اور انہیں دوبارہ کون بناتا ہے؟ یعنی زندہ کرنے والا کون ہے؟ اور موت دینے والا کون ہے؟ اور آسمان اور زمین میں سے تمہیں رزق عطا کرنے والا کون ہے؟ ان آیات میں چند باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ ہر آیت کے آخر میں بار بار تکرار کے ساتھ کہتا ہے کہ ''ء الہ مع اللہ '' کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی الہ ہے اور یہ سوال کرنے کے بعد ایک جگہ کہتا ہے کہ ''بل ھم قوم یعدلون '' لیکن یہ لوگ حق سے منحرف ہیں اور دوسری جگہ کہتا ہے ' تعالیٰ اللہ عما یشرکون '' یعنی خدا ان کے اس شریک گردانتے سے بلند وبالا ہے اور تیسری جگہ کہتا ہے کہ '' ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین '' اگر تم سچے ہو تو اس کے ثبوت کے لیے اپنی دلیل پیش کرو ان تینوں باتوں سے ثابت ہوا کہ جو خدا سے ان کاموں کے لئے نفی کرتا ہے وہ حق سے منحرف ہے اور جب خدا سے ان کاموں کی نفی کرے گا تو کسی اور کو ان کاموں کا کرنے والا کہے گا لہٰذا وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ '' تعالیٰ اللہ عما یشرکون '' اور اللہ ان کے اس شریک گردانتے سے بلند وبالا ہے اور جو بھی کوئی ان کاموں کی اللہ سے نفی کرے گا اس کے سچا ہونے کی اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اسی لئے کہتا ہے '' ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین '' ان پانچوں آیات میں خدا اپنے کا گنوا کر ہر دفعہ کہتا ہے '' ء الہ مع اللہ '' کیا اللہ کے ساتھ اور بھی کوئی الہ ہے؟۔

ہم نے اپنے ترجمے میں لفظ الہ کو جوں کا توں رکھا ہے اور اس کا ترجمہ نہیں کیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ بلکہ بہت سے لوگ اس کا ترجمہ معبود کرتے ہیں اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے لیکن آیت اللہ جعفر سبحانی نے اپنی کتاب تفسیر موضوعی جلد دوم میں اس معنی سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ وہ عبادت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''عبادت اس عملی یا لفظی وزبانی خضوع کو کہتے ہیں جو اس کی الوہیت کے اعتقاد سے سرچشمہ حاصل کرتی ہے جس کے لیے خضوع کیا جارہا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ الوہیت کیا ہے؟ اور بحث کا حساس نقطہ یہ ہے کہ ہم الوہیت کے معنی کو باریک بینی کے ساتھ معلوم کریں۔ الوہیت خدائی کے اور الہ خدا کے معنی میں ہے۔ اور اگر کبھی لفظ الہ کی معبود کے ساتھ تفسیر ہوئی ہے تو لازمہ کی صورت میں تفسیر ہے نہ کی معبود الہ کا واقعی اور حقیقی معنی ہے بلکہ اس سبب سے کہ حقیقی الہ اور الہ ھائے خیالی اقوام وملل جہاں میں معبود اور مورد پرستش رہے ہیں لہذا یہ خیال کرلیا گیا ہے کہ الہ معبود کے معنی میں ہے ورنہ معبود ہونا الہ کے لوازم میں سے تو ہے لیکن اس کا ابتدائی اور اصلی معنی نہیں ہے۔

اس چیز کا واضح گواہ کہ لفظ ''الہ'' خدا کے معنی میں ہے نہ کہ معبود کے معنی میں وہی کلمہ اخلاص ہے یعنی ''لاالہ الا اللہ'' ہے۔ اگر اس جملہ میں لفظ الہ معبود کے معنی میں ہو تو یہ کلمہ ایک جھوٹ سے زیادہ نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات واضح اور بدیہی ہے کہ اللہ کے علاوہ ہزارہا دوسرے موجودات ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے۔

وہ افراد جو لفظ ''الہ'' کو معبود کے معنی میں لیتے ہیں وہ جھوٹ کو رفع کرنے اور اس جملہ کی اصلاح کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں کہ لفظ ''بحق'' کو مقدر سمجھیں اور کہیں لا الہ الا اللہ کا معنی یہ ہے کہ معبود بحق اللہ کے علاوہ نہیں ہے اور یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ لفظ ''بحق'' کی تقدیر خلاف ظاہر ہے۔ اس بناء پر الہ خدا کے معنی میں ہے اور الوہیت خدائی کے معنی میں

ہے اور ہر قسم کی تعظیم وتکریم کا سرچشمہ اگر مد مقابل کی الوہیت اور خدائی ہوتو اسی کو عبادت کہتے ہیں۔ (تفسیر موضوعی جلد دوم صفحہ 341-342)

یعنی اس تفسیر کی رو سے معبود ہونا الہٰ کے لوازم میں ہے تو ہے لیکن اس کا ابتدائی اور اصلی معنی نہیں ہے۔

اور راغب اصفہانی نے بھی اللہ کے معنی یوں لکھے ہیں کہ بعض کا قول ہے کہ اللہ کا لفظ اصل میں الہٰ ہے ہمزہ تخفیفا حذف کر دیا گیا ہے اور اس پر الف لام (تعریف) لا کر باری تعالی کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اس تخصیص کی بناء پر فرمایا "ھل تعلم لہ سمیا (۱۹-۲۵) کیا تم کو اس کے کسی ہم نام کا علم ہے۔

یقیناً اللہ نام تو کسی کا نہیں ہے۔ لیکن الہٰ کا لفظ دوسروں کے لئے خود قرآن میں تثنیہ کی صورت میں بھی آیا ہے اور جمع کی صورت میں بھی۔ تثنیہ کی صورت میں قرآن میں کم از کم دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورہ النحل میں جہاں پر وہ فرماتا ہے۔

و قال اللہ لا تتخذوا الھین اثنین ۔ انما ھو الہ واحد فایای فارھبون (النحل:51)

اور اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ دو الہٰ نہ بناؤ سوائے اس کے نہیں کہ وہ معبود یکتا ہے۔ پس مجھ سے ہی ڈرو۔

اور دوسری جگہ سورہ المائدہ میں جہاں پر وہ فرماتا ہے

"واذ قال یٰعیسی ابن مریم ء انت قلت للناس اتخذونی و امی الھین من دون اللہ" (المائدہ-114)

اور اس وقت کو یاد کرو جس وقت خدا یہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو۔

مذکورہ دونوں آیات میں الٰھین تثنیہ کی صورت میں آیا ہے۔لیکن جہاں جمع کی صورت کا تعلق ہے تو قرآن کریم میں بہت سی آیات میں لفظ الٰہ جمع کی صورت میں آیا ہے۔

مثلاً سورہ ''ص''میں ارشاد ہوتا ہے۔

" اجعل الا لهة الهاواحداً ان هذا لشئی عجاب " (ص:5)

''کیااس نے سب خداؤں کوایک ہی خدا بنا دیا ہے بیشک یہ تو ایک عجیب سی بات ہے''اور سورہ نوح میں قوم نوح کا قول حکایۃً نقل کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"و قالوا لا تذرن الهتكم" (نوح:23)

اورانہوں نے یہ کہا کہ تم (نوح کے کہنے سے) اپنے خداؤں کو نہ چھوڑنا۔

راغب اصفہانی الٰہ کی جمع آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

الٰہ۔یعنی معبود ایک ہی ہےاس لئے ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس کی جمع نہ لائی جائے۔ لیکن اہل عرب نے اپنے اعتقاد کے مطابق بہت سی چیزوں کو معبود بنا رکھا تھا اس لیے آلهة جمع کا صیغہ استعمال کرتے تھے۔قرآن میں ام لـم آلهة تـمـنـعهـم مـن دونـنـا (۲۱۔۴۳) اور آپ سے اور آپ کے معبودوں سے دست کش ہوجائیں۔

یہاں پر راغب اصفہانی نے آلھۃ کا ترجمہ معبود کیا ہے۔مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں بھی معبود ہونے کا لازمہ بیان ہوا ہے۔ تمنعھم من دوننا کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں کہ ان کو مصائب سے بچائیں۔یعنی معبود ہونے کا لازمہ مصیبت سے بچانا بیان ہوا ہے۔

اور سورہ عنکبوت کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بت پرست اللہ ہی کو زمین و آسمان کا خالق مانتے تھے جیسا کہ فرمایا:

"ولـئـن سـالتهـم مـن خلق السمٰوٰت والارض و سخر الشمـس

والقمر ليقولن الله فانیٰ تو فکون " (العنکبوت ۔61)

اے پیغمبرؐ اگر تم ان سے دریافت کرو کہ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کس نے کیا ہے اور سورج اور چاند کو مطیع کس نے کیا ہوا ہے تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ نے پھر وہ کدھر بھٹکے جاتے ہیں۔

اس آیت کا فقرہ "پھر وہ کدھر بھٹکے جاتے ہیں" خاص طور پر قابل غور ہے یعنی خدا یہ کہہ رہا ہے کہ جب تمہارے نزدیک زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے اور سورج اور چاند بھی اسی کے مطیع ہیں اور اسی کے حکم سے تمہارے فائدے کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں تو پھر اصل عبادت کے لائق تو اللہ ہے۔ گویا اس آیت کی رو سے زمین و آسمان کا خالق ہونا اور سورج اور چاند کا اس کے حکم سے تمہارے فائدے کے کاموں میں لگے ہونا اس کے معبود حقیقی ہونے کا لازمہ ہے اور سورہ نمل کی آیت نمبر 60 تا 64 میں اس نے مذکورہ کاموں کا ذکر کرکے جو صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہیں بار بار یہ کہا ہے کہ "ء الہ مع اللہ" کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور "الہ" ہے۔ پس ان کاموں میں سے کسی کام کا کسی اور کی طرف منسوب کرنا دراصل اسے "الہ" ماننا ہے۔

" اللہ الذین خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحیکم ۔ ھل من شرکا لکم من یفعل من ذالکم من شئی ۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون "

(الروم ۔40)

"اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اس نے تم کو رزق دیا۔ پھر وہ تم کو موت دے گا۔ پھر وہ تم کو زندہ کرے گا۔ آیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ایسا ہے۔ جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر دے۔ جن کو یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان سے اس کی ذات منزہ و برتر ہے"۔

یعنی سورہ نمل میں جن کاموں کو خدا نے "الہ" کے ساتھ مخصوص بتلایا ہے یہاں

انہیں کاموں کو اللہ کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ اور الہ ہم معنی ہیں

بہر حال خدا نے مذکورہ آیات میں یہ واضح کیا ہے کہ یہ سارے کام انسان کے

لئے کئے ہیں لہذا اسے میرا ممنون و مشکور ہونا چاہیے اور اسے اس بات میں غور کرنا چاہیے کہ

جس نے اس کے لیے اتنی نعمتیں پیدا کی ہیں صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔

خدا نے سب کچھ انسان کے لئے پیدا کیا ہے

قرآن کریم میں اس موضوع کی بیشمار آیات ہیں۔لیکن ہم نے مذکورہ بارہ

مقامات میں سے صرف چھبیس (26) آیات پر ہی اکتفا کیا ہے۔ان آیات میں خداوند

تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

اے انسان یہ زمین میں نے تیرے لئے ہی پیدا کی ہے۔

اے انسان اس زمین میں جو کچھ ہے وہ بھی میں نے سب تیرے ہی لئے پیدا کیا

ہے

اے انسان رات میں نے تیرے راحت و آرام کے لئے بنائی ہے۔

اے انسان دن کو میں نے تیرے کاموں کے لئے بنایا ہے۔

اے انسان سورج اور چاند تارے اور سیارے سب تیرے فائدے کے کاموں

میں لگے ہوئے ہیں۔

اے انسان رات کو میں نے تیرے لئے پردہ بنایا ہے۔

اے انسان نیند کو میں نے تیری تھکاوٹ اتارنے اور راحت پہنچانے کے لئے

بنایا ہے۔

اے انسان زمین میں جو کچھ ہے وہ بھی تیرے لئے ہے۔

اے انسان ساری ظاہری اور باطنی نعمتیں میں نے تیرے لئے پیدا کی ہیں۔

اے انسان زمین میں نے تیرے ٹھہرنے اور تجھے بسانے کے لئے بنائی ہے۔

اے انسان رزق میں نے تجھے پاک و پاکیزہ دیا ہے۔

اے انسان زمین میں پہاڑ میں نے اس لئے بنائے ہیں کہ یہ تجھے لے کر کسی طرف جھک نہ جائے۔

اے انسان زمین میں برکت میں نے تیرے لئے رکھی ہے۔

اے انسان تیرے رزق کے سامان میں نے اس زمین میں رکھ دیئے ہیں۔

اے انسان آسمانوں میں جو بھی کوئی ہے وہ بھی تیری خدمت میں لگا ہے۔

اے انسان آسمانوں سے مبارک پانی میں نے تیرے لئے اتارا ہے۔ اس پانی سے باغات اور اناج کے کھیت اور لمبے لمبے کھجور کے درخت اور زیتون اور انگور اور ہر قسم کے پھل تجھے رزق دینے کے لئے پیدا کئے ہیں۔ جن میں تم سب انسان برابر کے حقدار رہو۔

بہر حال ان تمام آیات قرآنی سے بالفاظ واضح ثابت ہے کہ یہ ساری کائنات انسان کے لئے خلق کی گئی ہے اور غرض اصلی یہ تھی کہ تا کہ وہ آزمائے کہ انسانوں میں کون ازروئے عمل کے سب سے بہتر ہے اور انسانوں کی خلقت اصلی کی غرض یہ تھی کہ وہ صرف اس وحدہ ولاشریک کی عبادت کریں پس جس ہستی نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ہستی ازروئے عمل کے سب سے احسن ہے اور سب سے افضل و برتر ہے اور عبادت کرنے مین اپنی مثال آپ ہے خداوند تعالیٰ نے اسی کے لئے حدیث قدسی میں واضح طور پر اعلان کر دیا کہ: "**لولاک لما خلقت الافلاک**" (حدیث قدسی)

"یعنی اے پیغمبرؐ چونکہ تمام انسانوں میں سے تو ازروئے عمل کے سب سے

احسن اور بہتر ہے۔ لہذا اصل میں تو ہی وہ ہستی ہے جس کے لئے میں نے اس ساری کائنات کو خلق کیا ہے۔ یعنی اگر تجھے خلق نہ کرنا ہوتا تو میں ساری کائنات کو ہی خلق نہ کرتا۔ گویا اصل مقصود کائنات آنحضرتؐ کی ذات گرامی تھی جن کی وجہ سے سارے انسانوں کو یہ شرف ملا کہ اسے اشرف المخلوقات بنا کر مقصود بنا دیا اور اسے اشرف المخلوقات بنا کر مقصود بنا دیا اور اسے ساری کائنات کی علت غائی قرار دے دیا اور یہ وہ شرف ہے جس کی خداوند تعالی نے قسم کھائی ہے چنانچہ سورہ التین میں ارشاد ہوتا ہے۔

" والتین و الزیتون و طور سینین و هذا البلد الامین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناه اسفل سافلین الا الذین آمنوا و عملوا الصلحات فلهم اجر غیر ممنون " (سورہ التین 1 تا 6)

"قسم ہے انجیر کی اور قسم ہے زیتون کی، قسم ہے طور سینین کی اور قسم ہے اس امن والے شہر کی۔ بیشک ہم نے انسان کو احسن تقویم میں (بہت ہی اچھے کینڈے میں) بنایا ہے پھر ہم نے اسے پست سے پست حالت کی طرف پھیر دیا۔ سوائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیکیاں کرتے رہے کہ ان کے لئے بے انتہاء اجر و ثواب ہے۔

خداوند تعالی نے ان آیات میں انجیر کی قسم، زیتون کی قسم، طور سینین کی قسم اور اس امن والے شہر کی قسم کیوں کھائی ہے؟ مفسرین اسلامی کا کہنا یہ ہے کہ انجیر سے مراد وہ سرزمین ہے جہاں پر انجیر کثرت سے پیدا ہوتا ہے اور زیتون سے مراد وہ زمین ہے جہاں زیتون کثرت سے پیدا ہوتا ہے اور طور سینین وہ پہاڑ ہے جہاں پر خدا نے موسیٰ سے کلام کیا تھا اور "هذا البلد الامین" یعنی اس امن والے شہر سے مراد سرزمین مکہ ہے اور یہ وہ مقامات ہیں جہاں پر فخر انسانیت اور انسانی عظمت و بلندی کے تاجدار، رسولان بزرگ اور اولی العزم پیغمبر یعنی حضرت نوح (ع) حضرت ابراہیم (ع) حضرت موسیٰ (ع) حضرت عیسیٰ (ع) اور

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی شرف، انسانی عظمت، انسانی بزرگی و بلندی کو چار چاند لگائے تھے۔ لہذا خدا ان مقامات کی قسم کھا کر کہتا ہے "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" "ہم نے تو انسان کو ایسی عظمت کا مالک بنا کر پیدا کیا تھا کہ اس سے احسن اس سے افضل اس سے اشرف اس سے برتر اور کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا لیکن ہم نے انسانوں کو آزمائش کے لئے اسے ایمان لانے اور عمل صالح بجالانے کا حکم دیا پس جو انسان ایمان لایا اور عمل صالح بجالایا اس نے تو انسانی شرف اور انسانی عظمت کی حفاظت کی اور جس نے ایمان کا انکار کردیا اور کوئی عمل صالح بجا نہ لایا اس نے خود ہی خود کو پستی میں گرادیا اور خود کو اسفل سافلین کے مقام کا حقدار بنا دیا لیکن وہ انسان جو ایمان لے آیا اور عمل صالح بجالایا اس کے لئے اعلیٰ علیین ہے جنت ہے اور اس کے اجر و ثواب کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

خداوند تعالیٰ کے وجود کی نشانی

خداوند تعالیٰ نے زمین و آسمان کی خلقت کو اپنے وجود کی نشانی اور سب سے بڑی دلیل قرار دیا انبیاء کرام اور آئمہ ہدیٰ بھی زمین و آسمان کی خلقت کو خداوند تعالیٰ کے وجود کی نشانی اور سب سے بڑی دلیل قرار دیتے آئے چنانچہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ:

العبرة تدل علی البعیر والروثة تدل علی الحمیر و اثار القدم تدل المیسر۔ فھیکل علوی بھذا للطافة و مرکز سفلی بھذا الکثافة کیف لا یدلان علی الطلیف الخبیر"

یعنی اونٹ کی مینگنی اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور خچر کی لید خچر کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور پاؤں کے نشان کسی بشر کی آمدورفت پر دلالت کرتے ہیں پس آسمان،

سورج، چاند اور ستارے اس لطافت کے ساتھ اور طبقات زمین اس کثافت کے ساتھ کیسے خدائے لطیف وخبیر کے وجود پر دلالت نہیں کرتے۔

قرآن کریم میں بیشمار آیات ایسی آئی ہیں جن میں خداوند تعالٰی نے زمین و ااسمان کی خلقت کو اپنے وجود کی نشانی بتلایا ہے۔

انبیاء علیہم السلام بھی اپنی امتوں کے سامنے جو سب سے بڑی دلیل خدا کے وجود کے ثبوت میں دیا کرتے تھے وہ زمین اور آسمان کی خلقت ہی تھی چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

" وقالت رسلهم افی الله شک فاطر السمٰوٰت والارض "

(ابراہیم:10)

تمام امتوں کے رسولوں نے ان سے یہی کہا کہ کیا تمہیں اس خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو خلق کرنے والا ہے۔

وہ آیات جن میں خداوند تعالٰی نے آسمانوں اور زمین کی خلقت اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کی پیدائش کو اپنے وجود کی نشانی قرار دیا ہے ان میں سے چند بطور نمونہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر1: " ان فی اختلاف الیل والنهار و ما خلق الله فی السمٰوٰت والارض لآیات لقوم یتقون " (یونس:6)

بیشک رات اور دن کے آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں خلق کیا ہے اس میں متقین کے لئے (اللہ کے وجود کی) نشانیاں موجود ہیں۔

نمبر2: "سخر لكم مافی السمٰوٰت ومافی الارض جمیعاً منه ان فی ذالک لآیات لقوم یتفكرون " (الجاثیہ:12)

اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے ان سب کو خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہاری خدمت اور تمہارے فائدے کے کاموں میں لگا دیا ہے بیشک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے خدا کے وجود کی نشانیاں موجود ہیں۔

نمبر3: " وهوالذین مدالارض و جعل فیها رواسي وانهاراو من كل الثمرات جعل فیها زوجین اثنین یغشي اللیل النهار ان في ذالک لآیات لقوم یتفكرون "

اور وہ اللہ ہی تو ہے کہ جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ قائم کئے اور دریا بہائے۔ اور ہر ہر قسم کے پھلوں میں سے اس میں دو دو جوڑے پیدا کر دیئے وہی دن کو رات سے ڈھانپتا ہے بیشک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے خدا کے وجود کی نشانیاں موجود ہیں۔

نمبر4: " وفي الارض قطع متجاورات و جنات و اعناب و زرع و نخیل صنوان وغیر صنوان یسقي بماء واحد و نفضل لبعضها علي بعض في الاكل ان في ذالک لآیات لقوم یعقلون " (الرعد۔4)

اور زمین کے مختلف ٹکڑے ایک دوسرے کے پاس پاس ہیں اور انگوروں کے باغات اور کھیتیاں اور کھجوروں کے درخت ایک ہی جڑ میں سے کئی کئی اگے ہوئے اور علیحدہ علیحدہ اگے ہوئے کہ یہ سب ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور ان کے پھلوں کے بارے میں ہم ایک دوسرے پر برتری دیتے ہیں بیشک اس میں عقل رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

نمبر5: " وهوالذین انزل من السماء ماءِ لكم منه شرابو منه شجروفیه تسیمون ینبت لكم به الزرع والزیتون و النخیل والاعناب و من كل

الثمرات ان فی ذالک لآیۃ لقوم یتفکرون'' (النحل 10-11)

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی اتارا ہے جس سے تم پیتے ہو اور اسی سے درخت بھی پیدا ہوتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتیاں پیدا کرتا ہے اور زیتون کے درخت اور کھجور کے درخت اور انگور اور ہر طرح کے پھل بیشک غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بھی خدا کے وجود کی نشانی موجود ہے۔

قرآن کریم میں اس موضوع کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں خداوند تعالی نے زمین و آسمان کی خلقت کو اور جو کچھ ان میں پیدا ہوتا ہے ان سب کو اپنے وجود کی نشانی قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ بڑے زوردار طریقے سے کہتا ہے کہ اگر کافروں سے بھی یہ پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ انہیں تو اللہ ہی نے خلق کیا ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر ایسی چند آیات ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

بت پرست اور کفار مکہ بھی خدا ہی کو خالق و رازق مانتے تھے

قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات موجود ہیں۔ جن میں بڑے ہی لطیف پیرائے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بت پرست اور کفار مکہ بھی خدا ہی کو زمین و آسمان کا خالق مانتے تھے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

نمبر 1: "ولئن سالتهم من خلق السموت والارض وسخر الشمس و القمر ليقولن الله فاني يوفكون" (العنکبوت۔61)

''اے پیغمبرؐ اگر تم ان (کفار) سے (بھی) یہ دریافت کرو گے کہ آسمان کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اور سورج اور چاند کو کس نے مطیع کیا ہوا ہے تو وہ بھی ضرور یہی

کہیں گے کہ اللہ نے پھر وہ کدھر بہکے جاتے ہیں"۔

تفسیر بتیان میں اس آیت کی تفسیر میں یوں بیان ہوا ہے۔

" یقول اللہ تعالیٰ نبیہ محمد صلی اللہ علی و آلہ ولئن سالت ھو لاء الکفار الذین جحدوا توحید و کفروا بنبوتک (من خلق السموت والارض) والمنشی لھا و المخرج لھا من العدم الی الوجود (و سخر الشمس والقمر) فی دورانھا علی طریقہ واحدۃ لا تختلف ؟ (لیقولن) فی جواب ذالک (اللہ) الفاعل لذالک لانھم کانوا یقولون بحدوث العالم والنشاۃ الاولیٰ یعترفون بان الاصنام لا تقدر علی ذالک ثم قال فانی یوفکون ھولاء ای کیف یصرفون عن صانع ذالک والاخلاص لعبادۃ "........

تفسیر بتیان جلد 8 صفحہ 224

یعنی خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر سے کہہ رہا ہے کہ اگر تم ان کفار سے جو میری توحید کے منکر اور تیری نبوت کے انکاری ہیں۔ یہ پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے اور ان کو عدم سے وجود میں کون لایا ہے اور سورج اور چاند کو ایک مقررہ راستے پر چلانے کے لئے کس نے مطیع کر رکھا ہے تو اس میں کوئی بھی اختلاف نہ کرے گا اور وہ اس کے جواب میں ضرور یہی کہیں گے کہ وہ ان کاموں کے کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ پھر یہ لوگ کدھر بہکے چلے جاتے ہیں یعنی وہ ان کے صانع سے منحرف کیوں ہیں؟ اور اس کی عبادت کے اخلاص سے منہ کیوں پھیرتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ زمانہ پیغمبر کے کافروں اور بت پرستوں کی طرف سے ان کے اس عقیدہ کی خود ہی گواہی دے رہا ہے کہ اگر تم ان سے پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا اور انہیں عدم سے وجود میں کون لایا۔ اور سورج اور چاند کو مسخر کر کے کس نے انہیں

ایک مقررہ راستے پر رواں دواں کیا تو وہ کفار اور بت پرست بھی ہیں کہیں ے کہ انہیں تو خدا نے ہی خلق کیا ہے اور ان کاموں کا فاعل صرف خدا ہی ہے ۔لیکن فلاسفہ یونان یہ کہتے ہیں کہ خدا میں صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے اور وہ عقل اول ہے اس کے بعد خدا نے اور کوئی کام نہیں کیا بلکہ پھر جو کچھ کیا وہ عقل اول نے کیا۔نصاریٰ جو عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور اس کی وجہ ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا تھا۔لہذا انہوں نے اپنے عقیدہ کو مستدل کرنے کے لئے فلسفہ یونان کو بہت ہی کار آمد جانا اور اب فلاسفہ یونان کی پیروی کرتے ہوئے عقل اول کی بجائے انہوں نے یہ کہا کہ خدا میں سے سب سے پہلے جو چیز صادر ہوئی وہ حضرت عیسیٰ تھے اس کے بعد جو کیا وہ حضرت عیسیٰ نے کیا۔

شیعہ کہلانے والوں میں سے وہ گروہ جو تفویض کا قائل تھا اور یہ کہتا تھا کہ خدا نے چہاردہ معصومین علیہم السلام کو خلق کر کے اپنے سارے کام ان کو سپرد کر دیئے اور خدا نے ان کو خلق کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کیا۔ان کے بعد جو کچھ کیا وہ انہوں نے کیا۔انہوں نے بھی اپنے اس عقیدہ کو مستدل کرنے کے لیے فلسفہ یونان کو کار آمد سمجھا اور فلسفہ یونان کی پیروی کرتے ہوئے عقل اول کی بجائے یہ کہا کہ خدا میں سے سب سے پہلے جو چیز صادر ہوئی وہ محمد وآل محمد علیہم السلام کا نور تھا۔اس کے بعد جو کچھ کیا وہ محمد وآل محمد نے کیا وہی کائنات کی علت فاعلی ہیں اور وہی کائنات کی علت مادی ہیں۔مفوضہ کے اس فلسفہ کا بیان شیخ احمد احسائی نے جاری کیا جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔یہاں پر ہم پھر قرآن کے بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

نمبر2: ولئن سالتهم من نزل من السماء ماء فاحیابه الارض بعد موتها لیقولن الله قل الحمدلله بل اکثرهم لا یعقلون " (العنکبوت ـ64)

"اگر تم ان سے یہ دریافت کرو گے کہ آسمان سے پانی کس نے نازل کیا؟ پھر

اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کس نے کیا۔ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ تم کہہ دو کہ سب طرح کی تعریف اللہ ہی کے لئے ہے لیکن ان میں سے بہت سے عقل نہیں رکھتے"۔

نمبر3: ولئن سالتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ (الزمر 38)

"اے رسول اگر تم (ان کافروں) سے یہ دریافت کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو تو اللہ نے ہی خلق کیا ہے۔

نمبر4: "ولئن سالتھم من خلق السموت والارض لیقولن خلقھن العزیز العلیم" (الزخرف۔9)

"اے رسول اگر تم ان کافروں اور بت پرستوں سے یہ سوال کرو کہ بتاؤ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے وہ ضرور یہی کہیں گے کہ انہیں تو اس غالب اور صاحب علم خدا نے ہی خلق کیا ہے۔

نمبر5: ولئن سالتھم من خلقھم لیقولن فانی یوفکون (الزخرف۔87)

اور اے پیغمبر اگر تم ان کافروں اور بت پرستوں سے یہ سوال کرو گے کہ بتلاؤ تمھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ہمیں تو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔

ایک اور آیت میں خداوند تعالی نے پر زور الفاظ میں یہ کہا ہے کہ خلق کرنا صرف میرا ہی کام ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

نمبر6:" ان ربکم اللہ الذین خلق السموت والارض فی ستۃ ایام ثم استوری العرش یغشی اللیل النھار یطلبہ حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرت بامرہ الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین" (الاعراف۔54)

"بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے۔ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا

کیا پھر اس نے عرش حکومت سے حکم چلانا شروع کردیا وہی (اپنے حکم سے) رات کو دن سے ڈھانپ دیتا ہے جو تیزی سے اس کے پیچھے چلا آتا ہے اور اس نے سورج اور چاند اور ستاروں کو اس شان سے پیدا کیا کہ وہ سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ آگاہ رہو کہ خلق کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے۔ اللہ کل عالموں کا پرورش کرنے والا صاحب برکت ہے۔"

اس قسم کی آیات جن میں خداوند تعالیٰ نے خود کفار و مشرکین اور بت پرستوں کی طرف سے گواہی دی ہے کہ اگر ان سے یہ پوچھو کہ بتاؤ زمین و آسمان کو کس نے خلق کیا ہے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ ان کو تو خدا نے ہی خلق فرمایا ہے۔ بکثرت موجود ہیں لیکن ہم نمونہ کے طور پر مذکورہ آیات پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

ان آیات میں خداوند تعالیٰ زمین و آسمان کی خلقت کو اپنے وجود کی بہت بڑی دلیل کے طور پر بیان کرتا ہے لیکن فلاسفہ یونان اور نصاریٰ و مفوضہ و شیخیہ خدا میں سے صرف ایک چیز صادر ہونے کے قائل ہیں۔ لہذا ان کے فلسفہ کے مطابق مخلوق کے مختلف طبقات کی خلقت بھی قرآن کے خلاف بالکل الٹ ہے۔ لہذا پہلے ہم فلاسفہ کے نزدیک مخلوق کے طبقات کی خلقت کا بیان پیش کرتے ہیں۔

پہلے فلاسفہ کے نزدیک مخلوق کے مختلف طبقات کی خلقت کا بیان

رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا موسیٰ اسکوئی اپنی کتاب احقاق الحق میں دوسرے مسلم فلاسفہ کے نظریہ کو شیخ احمد احسائی کی کتاب الفوائد کے صفحہ نمبر 292 سے 295 تک تحریر شدہ چودھویں فائدے سے اس طرح سے نقل کیا ہے کہ:

معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر فلاسفہ اسلام اور علمائے ملل نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ

تمام موجودات ایک ہی مادہ سے خلق ہوئی ہے اور ان میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ ان کے تعینات اور تغیرات کی بناء پر ہے اور مبداء سے نزدیکی اور دوری کی وجہ سے ان کے مراتب میں فرق واقع ہوا ہے جس طرح ایک چراغ کے نور کے مراتب میں نور سے نزدیکی اور دوری کی وجہ سے فرق ہوتا ہے پس نور میں اور حرارت میں وہ حصہ زیادہ قوی تر ہوگا جو چراغ سے زیادہ قریب ہوگا اور نور میں اور حرارت میں وہ حصہ زیادہ ضعیف ہوگا جو چراغ سے جتنا دور واقع ہوگا اور اس طرح اس کے درمیان کا حال اس دوری اور نزدیکی کی نسبت سے کیونکہ خداوند تعالٰی نے صرف ایک وجود کو خلق کیا ہے نہ اور کسی چیز کو اور وہ سب سے اول مخلوق ہے اور وہ پانی ہے جس کا ذکر قرآن اور حدیث میں آیا ہے (فانہ تعالٰی خلق الوجود لاغیرہ وھواول ما خلق اللہ عزوجل وھوالماء المذکور فی القرآن والاحادیث) پس اس مادہ میں سے جو بہترین حصہ تھا اس سے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نور کو خلق فرمایا۔ پھر اسی مادہ میں سے جو کچھ بچ رہا اس کے بہترین حصہ سے انبیاء علیہم السلام کے انوار کو خلق فرمایا۔ پھر اسی مادہ میں سے جو کچھ بچ رہا اس کے بہترین حصہ سے انسانوں میں سے مومنوں کے انوار کو خلق فرمایا۔ پھر جو کچھ باقی بچ رہا اس کے بہترین حصہ سے جنوں کو خلق فرمایا۔ پھر اس کے بعد جو مادہ بچا اس کے بہترین حصہ سے ملائکہ کو خلق فرمایا۔ پھر اس کے بعد جو مادہ بچا اس کے بہترین حصہ سے حیوانات کو خلق فرمایا پھر اس کے بعد جو مادہ بچ رہا اس کے بہترین حصہ نباتات کو خلق فرمایا پھر اس کے بعد جو مادہ بچ رہا اس کے بہترین حصہ سے معادن کو خلق فرمایا۔ پھر اس کے بعد جو مادہ بچ رہا اس کو جمادات بنا دیا۔ (احقاق الحق صفحہ 279)

یہ ہے وہ فلسفہ تخلیق کائنات جو شیخ احمد احسائی سے پہلے کے مسلم فلاسفہ نے فلسفہ یونان کو ترمیم کر کے بیان کیا تھا جسے رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت نے شیخ احمد احسائی کی کتاب الفوائد کے چودھویں فائدے سے نقل کیا ہے۔

شیخ احمد احسائی کا فلسفہ

شیخ احمد احسائی نے دوسرے فلاسفہ کا جو فلسفہ بیان کیا ہے اور جسے ہم نے اوپر نقل کیا ہے یہ دراصل وہ فلسفہ ہے جو چلتے چلتے نصاریٰ میں پہنچا پھر مسلم فلاسفہ میں وارد ہوا اور ان سے شیعہ فلاسفہ تک پہنچا۔ ان شیعہ فلاسفہ نے اس فلسفہ یونان میں ترمیم کر کے اپنی دانست میں شیعہ فلسفہ بنایا۔ چونکہ فلسفہ یونان نہ تو انبیاء پر ایمان رکھتے تھے اور نہ ہی چہاردہ معصومین پر۔ فلاسفہ یونان نے تو ''الواحد لا یصدر عن الا الواحد'' کے مطابق خدا کے اندر سے صرف عقل اول کا صادر ہونا بیان کیا تھا۔ ان کے نزدیک پھر جو کچھ کیا وہ عقل اول نے کیا۔ لیکن مخلوقات کے طبقات کی انواع اور درجہ بندی انہوں نے چونکہ مرتبہ میں چراغ سے نزدیکی اور دوری کی مثال کے ذریعے سے بیان کی تھی۔ یعنی جو چیز سب سے پہلے خلق ہوئی وہ سب سے افضل تھی۔ لہذا شیعہ فلاسفہ نے اپنے عقیدہ فلسفہ یونان کو اس نظریہ کے ماتحت کرنے کے لئے کہ جو چیز چراغ سے جتنی دور ہوگی اتنی ہی زیادہ قوی ہوگی۔ سب سے افضل مخلوق کو سب سے اول قرار دیتے ہوئے یہ کہا کہ اس مادہ سے سب سے پہلے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نور کو خلق فرمایا پھر جو باقی بچا اس سے انبیاء علیہم السلام کے انوار کو خلق فرمایا۔ پھر جو باقی بچا اس سے مومن انسانوں کے نور کو خلق فرمایا۔ پھر جو باقی بچا اس مادہ سے جنوں کو خلق فرمایا پھر جو باقی بچا اس مادہ سے فرشتوں کو خلق فرمایا۔ پھر جو باقی بچا اس مادہ سے حیوانات کو خلق فرمایا۔ پھر جو باقی بچا وہ اس مادہ کو جمادات بنا دیا اس فلسفہ کی رو سے وہ سارا مادہ ختم ہو گیا اور جو آخر میں بچا اس کو جمادات بنا دیا (احقاق الحق صفحہ 279)

یہ ہے وہ فلسفہ تخلیق کائنات جو شیخ احمد احسائی سے پہلے کے مسلم فلاسفہ نے فلسفہ یونان میں ترمیم کر کے بیان کیا تھا جسے رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت نے شیخ احمد احسائی کی

کتاب الفوائد کے چودھویں فائدے میں نقل کیا ہے۔

اس طرح ان مفسرین نے مخلوقات کو آٹھ انواع میں تقسیم کر دیا ہے۔

نمبر 1=چہاردہ معصومین　　نمبر 2=انبیا علیہم السلام　　نمبر 3=انسان

نمبر 4=جن　　نمبر 5=فرشتے　　نمبر 6=حیوانات

نمبر 7=نباتات　　نمبر 8=جمادات

لیکن بزرگ شیعہ علماء نے اس طرح سے اور اس ترتیب سے ایک ہی مادہ سے مختلف انواع کی خلقت کے بیان کو کفر قرار دیا۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی جب ایران میں وارد ہوا تو اس نے بھی شیعہ علماء کی ہاں میں ہاں ملا کر اس وحدت مادہ کو کفر قرار دیا اور خود اپنی طرف سے اپنا من گھڑت فلسفہ پیش کیا۔ جس سے اس کا عقیدہ تفویض زیادہ بہتر طور پر مستدل ہو سکے۔ یہ فلسفہ دوسرے شیعہ فلاسفہ سے تھوڑا سا مختلف ہو گیا۔ لیکن شیخ نے اپنے اس خود ساختہ فلسفہ میں فلسفہ یونان کی اصل روح کو پوری طرح سمو دیا تھا کیونکہ فلسفہ یونان نے یہ کہا تھا کہ "الواحد لا یصدر عن الا الواحد" یعنی واحد چیز میں سے ایک چیز کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا اور وہ ان کے نزدیک عقل اول تھی جو خدا کے اندر سے نکلی۔ نصاریٰ نے فلاسفہ کی عقل اول کی بجائے یہ کہا کہ خدا کے اندر سے سب سے پہلے جو چیز نکلی وہ حضرت عیسیٰ تھے۔ اور شیخ احمد احسائی نے یہ کہا کہ سب سے اول خدا کے اندر سے جو چیز نکلی وہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کا نور تھا۔ جس طرح سورج کے اندر سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اور پھر باقی مخلوقات کے طبقات ان کی شعاع سے خلق ہوئے اور اس کی مثال دیتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ:-

"اس کی مثال یہ ہے کہ دیوار کے اوپر سورج کے پڑنے والی شعاعیں سورج کے ظہور سے پیدا ہوتی ہیں اور اس دیوار کے مقابل جو دیوار ہوگی اس کی شعاعیں پہلی دیوار کی

شعاعوں کے نور کی شعاع ہوگی۔اور اس روشن ومنور و مستنیر دیوار کے مقابل کی روشن و منور و مستنیر دیوار کے مقابل جو دیوار ہوگی اس کی شعاعیں اس پہلی دیوار کے نور کی شعاعیں ہوں گی اس طرح تمام مراتب وجود کا حال ہے............احقاق الحق 180-281

پس شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کے مطابق خدا جس کے اندر سے ایک چیز سے زیادہ کوئی اور چیز نہیں نکل سکتی وہ ایک چیز چہاردہ معصومین علیہم السلام کا نور تھا۔جو خدا کے اندر سے اس طرح سے نکلا جس طرح سورج سے شعاعیں نکلتی ہیں۔پھر چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نور کی شعاع سے انبیاء علیہم السلام کا نور نکلا۔پھر انبیاء علیہم السلام کے نور کی شعاع سے انسانوں کا نور نکلا۔پھر انسانوں کے نور کی شعاع سے جنوں کا نور نکلا۔پھر جنوں کے نور کی شعاع سے ملائکہ کا نور نکلا۔پھر ملائکہ کے نور کی شعاع سے حیوانات کا نور نکلا۔پھر حیوانات کے نور کی شعاع سے نباتات کا نور نکلا پھر نباتات کے نور کی شعاع میں سے جمادات کا نور نکلا۔

پس فلاسفہ یونان ہوں یا دوسرے مسلم یا شیعہ فلاسفہ ہوں یا شیخ احمد احسائی۔سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ "الواحد لا یصدر عنه الا الواحد" یعنی ایک چیز کے اندر سے ایک چیز کے سوا اور کوئی چیز نہیں نکل سکتی۔

پھر جس طرح چراغ سے نزدیکی اور دوری کی نسبت سے چراغ کی شعاع قوی اور ضعیف ہوتی ہے اسی طرح خدا کے اندر سے جو چیز نکلی وہ سب سے افضل پھر اس کے بعد جو چیز نکلی وہ اس سے کم مرتبہ پھر اس کے بعد جو چیز نکلی وہ اس سے کم مرتبہ پس اس طرح تمام مراتب وجود کا حال ہے کہ سب سے اول طبقہ مخلوقات کا یا سب سے اول نوع مخلوقات کی چہاردہ معصومین ہوئے۔دوسرے مرتبہ کی نوع یا طبقہ انبیاء علیہم السلام ہوئے۔تیسرے مرتبہ کی نوع یا طبقہ انسان ہوئے۔چوتھے مرتبہ کی نوع یا طبقہ جن ہوئے۔پانچویں مرتبہ کی

نوع یا طبقہ ملائکہ ہوئے ۔ چھٹے مرتبہ کی نوع یا طبقہ حیوانات ہوئے ۔ ساتویں مرتبہ کی نوع یا طبقہ نباتات ہوئے اور آٹھویں مرتبہ کی نوع یا طبقہ جمادات ہوئے ۔ لیکن شیخ احمد احسائی کے نزدیک یہ سب کے سب ایک دوسرے کی شعاع سے پیدا ہوئے لہذا ان میں سے ہر ایک اپنے سے اوپر کے طبقہ کی مخلوق ہے اور اپنے سے نچلے طبقہ کی خالق ہے کیونکہ ہر اوپر کے طبقہ کی مخلوق نچلے طبقہ کی مخلوق کی علت ہے اور نچلے طبقہ کی مخلوق اوپر کے طبقہ کی مخلوق کی معلول ہے۔

پس اس طرح سے اگرچہ ساری علتوں کی علل العلل تو خداوند تعالیٰ ہی قرار پاتا ہے مگر شیخ احمد احسائی اپنے عقیدہ تفویض کو سیدھا کرنے کے لئے چہاردہ معصومین علیہم السلام کو علت العلل کہتا ہے اور باقی کے تمام طبقات کے لئے علت فاعلی اور علت مادی انہیں کو قرار دیتا ہے یعنی آگے کی مخلوق کے تمام طبقات ان کے نور کی شعاع سے خلق ہوئے ایک دیوار سے دوسری دیوار پر اور دوسری دیوار سے تیسری دیوار پر شعاعوں کے پڑنے کی مثال کے مطابق۔

شیخ احمد احسائی کے نزدیک آٹھ طبقات کی خلقت کی ترتیب

مذکورہ بیان سے معلوم ہوگیا ہے کہ شیخ احمد احسائی کے نزدیک مخلوقات کے آٹھ طبقات ہیں اور ہر طبقہ ایک علیحدہ نوع ہے پس پہلا طبقہ یا نوع چہاردہ معصومین ہیں ۔ دوسرا طبقہ یا نوع انبیاء علیہم السلام ہیں ۔ تیسرا طبقہ یا نوع انسان ہوئے یعنی سارے انبیاء انسان نہ تھے کیونکہ انسانوں کی نوع تیسرے طبقہ میں پیدا ہوئی ۔ چوتھا طبقہ یا نوع جن ہوئے پانچواں طبقہ یا نوع فرشتے ہوئے ۔ چھٹا طبقہ حیوانات ہوئے ساتواں طبقہ یا نوع نباتات ہوئے اور آٹھواں طبقہ یا نوع جمادات ہوئے ۔

اس فلسفہ کے مطابق یہ آٹھوں طبقات یا انواع اسی ترتیب سے پیدا ہوئے یعنی سب پہلے چہاردہ معصومین پیدا ہوئے ان کے بعد انبیاء پیدا ہوئے انبیاء کے بعد انسان پیدا ہوئے یعنی چہاردہ معصومین علیہم السلام اور تمام انبیائے کرام دونوں ہی انسان نہیں تھے اور اسی وجہ سے شیخ احمد احسائی اور اس کی تعلیمات کی پیروی کرنے والے چہاردہ معصومین علیہم السلام کو بشر یا انسان نہیں مانتے اور اس طرح قرآن کریم کی واضح مسلمات کا انکار کرتے ہیں۔ بہر حال پھر ان کے نزدیک انسانوں کے بعد جن پیدا ہوئے اور یہ بات بھی سورۃ الحجر کی آیت نمبر 27 کے صریحاً خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ " والجان خلقنا من قبل نار السموم " یعنی ہم نے جنوں کو انسانوں سے پہلے بھڑکتی ہوئی آگ سے پیدا کیا تھا اور ابلیس کا آدم کو سجدے سے انکار کرنا جو جن تھا اس کے آدم سے پہلے موجود ہونے کی بین دلیل ہے۔

بہر حال شیخ احمد احسائی خود ساختہ من گھڑت فلسفے کی رو سے جنوں کے بعد ملائکہ پیدا ہوئے ملائکہ کے بعد حیوانات پیدا ہوئے حیوانات کے بعد نباتات پیدا ہوئے اور نباتات کے بعد جمادات پیدا ہوئے اور شیخ احمد احسائی کا یہ سارے کا سارا اور تمام کا تمام فلسفہ قرآن کریم اور تعلیمات معصومین علیہم السلام کے سراسر خلاف ہے آیئے اب دیکھتے ہیں کہ قرآن مخلوق کے مختلف طبقات کی خلقت کو کس طرح سے بیان کرتا ہے۔

قرآن کے نزدیک مخلوق کے مختلف طبقات کی خلقت کا بیان

ہم مخلوق کے تمام طبقات کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں نمبر 1= جاندار مخلوق نمبر 2= غیر جاندار مخلوق۔ پھر جاندار مخلوق کی دو قسمیں ہیں نمبر 1= ذوی العقول نمبر 2= غیر ذوی العقول۔ غیر ذوی العقول میں تمام حیوانات، چوپائے، مویشی، درندے، پرندے

، پرندے اور تمام حشرات الارض وغیرہ آتے ہیں اور ذوی العقول مخلوق میں جن فرشتے اور انسان آتے ہیں۔

خداوند تعالی کے علم ازلی میں یہ تھا کہ وہ اپنی ایک شاہکار جسے اس نے ایہ و فی ہدایہ "هل اتی الانسا ن حین من الدهر لم یکن شیئامذکو را "میں انسان کہا ہے پیدا کرے گا جو اس کی تمام مخلوق میں اشرف المخلوقات ہوگا اس کی مخلوق میں سب سے افضل ہوگا۔صاحب عقل وشعور ہوگا۔صاحب ارادہ و اختیار ہوگا اور وہ اپنی عقل وشعور سے عجائبات خلقت میں غور کر کے میری معرفت حاصل کرے گا اور انہیں میں سے بھیجے ہوئے اپنے رسولوں کے ذریعے جو احکام میں دوں گا وہ اپنے ارادہ و اختیار سے ان پر عمل کرے گا جن کاموں سے میں اسے روکوں گا وہ اس سے باز رہے گا۔اور جن کاموں کے کرنے کا میں اسے حکم دوں گا وہ ان ہی کو بجالائے گا اور وہ بے انتہا نعمتیں جو میں اسے دوں گا وہ ان کا شکر ادا کرے گا اور میری عبادت گزاری اور اطاعت شعاری میں مصروف رہے گا وہ صرف اللہ کے لئے ہوگا اور ساری کائنات اس کے لئے ہوگی۔لہذا سب سے پہلے خدا نے اس انسان کے راحت و آرام کے لئے اس کو بسانے ،قیام کرنے ،ٹھہرنے ،رہنے سہنے اور سکونت اختیار کرنے کے لئے جگہ اور مکان کا بندوبست کیا اور کرہ زمین کو اس کا مسکن بنانے کے لئے اس کی خلقت کا اہتمام کیا اور زمین کی تخلیق کے لئے اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنے ارادہ و اختیار سے پانی کو عدم سے وجود میں لایا۔لہذا پانی وہ چیز ہے جس کو خداوند تعالی نے سب سے پہلے خلق فرمایا اور دیگر مسلم فلاسفہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ قرآن وحدیث کے مطابق خدا نے سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا جیسا کہ موسیٰ اسکوئی نے شیخ احمد احسائی کی کتاب فوائد کے چودھویں فائدے سے دوسرے فلاسفہ کا قول اس طرح سے نقل کیا ہے:

"و هوا لماء المذکور فی القرآن والاحادیث فانه تعالیٰ خلق

الوجود لا غیر و ھو اول ما خلق اللہ عزو جل" (احقاق الحق صفحہ 279)

اور جیسا کہ خداوند تعالٰی نے خود قرآن میں فرمایا ہے:

" وھوا الذی خلق السموٰت والارض فی ستۃ ایام و کان عرشہ علی الماء لیبلوکم ایکم احسن عملاً" (ھود۔7)

اور وہ اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پہلے اس کا عرش اقتدار صرف پانی کے اوپر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے؟

اس آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ خداوند تعالٰی کا عرش پانی پر تھا اور پانی سے پہلے کوئی چیز نہ تھی جسے خدا نے خلق کیا ہو۔ پھر خداوند تعالٰی نے اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنے ارادے و اختیار سے ہوا کو پیدا کیا اور اس ہوا کے ذریعہ پانی کو الٹا پلٹا۔ اور پانی کو تھپیڑے دیئے جس سے جھاگ پیدا ہوئے اور اس جھاگ سے زمین کو پیدا کیا۔ گویا کہ زمین کی خلقت سے پہلے پانی اور پھر ہوا پیدا ہو چکے تھے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث بیان ہو چکی کہ زمین کے بننے سے پہلے صرف پانی اور ہوا تھے اور ان کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ ہوا کے ذریعے پانی کو تھپیڑے دیئے جس سے جھاگ پیدا ہوا وہی جھاگ جم کر زمین بن گئی۔ اور امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام کے نہج البلاغہ میں مذکورہ خطبہ کا خلاصہ یہی ہے۔

اور سورہ حم السجدہ کی آیت نمبر 9 بھی سابق میں بیان ہو چکی ہے جس میں خداوند تعالٰی نے یہ کہا کہ اس زمین کو دو دنوں (یا دو مرحلوں) میں پیدا کیے۔ خلق الارض فی یومین ....حم السجدہ۔9۔

پس زمین سے پہلے کوئی جاندار مخلوق موجود نہیں تھی یعنی خداوند تعالٰی نے کوئی

جاندار مخلوق خواہ وہ ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول اس وقت تک پیدا نہیں کی جب تک ان کے قیام کرنے کے لئے ان کے ٹھہرنے کے لئے ان کے بسنے کے لئے، ان کے رہنے سہنے کے لئے ان کے سکونت اختیار کرنے کے لئے زمین کو خلق کیا اور اس میں پہاڑوں کو قائم کیا تا کہ زمین ان جانداروں کو لے کر کسی طرف جھک نہ جائے۔ پھر تمام جانداروں کے کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ پھر جب خداوند تعالیٰ نے زمین اور پہاڑوں کو خلق کرنے کے بعد اس میں جانداروں کے کھانے پینے کو بندوبست کر لیا تو پھر ذوی العقول جانداروں کو پیدا کیا تا کہ وہ اس زمین میں قرار پکڑیں اور کھانے پینے کی چیزوں کی طرف سے بے فکر ہو جائیں اگر وہ علیم و حکیم خدا جانداروں کو ان کے کھانے پینے کا بندوبست کئے بغیر پیدا کر دیتا تو یہ بات اس کی حکمت کے خلاف ہوتی۔

جمادات و نباتات و حیوانات کی خلقت کا بیان

اس بات کا کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا۔ کہ زمین اور پہاڑوں کو جمادات میں شمار کیا جاتا ہے اور پانی اور ہوا اسی زمین کا حصہ ہیں۔ جن پر جانداروں کی زندگی کا دارومدار اور جانداروں کے کھانے کے لئے جو چیزیں خدا نے زمین میں پیدا کی ہیں انہیں نباتات کہا جاتا ہے۔ اور جانداروں کو حیوانات کہا جاتا ہے پس تمام فلاسفہ کے نظریہ کے برخلاف چاہے وہ فلاسفہ یونان ہوں یا فلاسفہ نصاریٰ ہوں یا مسلم فلاسفہ ہوں یا شیعہ فلاسفہ ہوں یا شیخ احمد احسائی کا فلسفہ ہو از روئے قرآن خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلے جمادات کو خلق کیا اس کے بعد نباتات کو خلق کیا اور اس کے بعد غیر ذوی العقول حیوانات کو خلق فرمایا اور جب خداوند تعالیٰ زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کو پیدا کر چکا تو پھر آسمانوں کی خلقت کی طرف متوجہ ہوا جیسا کہ سورہ حم السجدہ میں بیان ہوا ہے:-

ثم استویٰ الی السماء و ھی دخان و قال لھا ولارض ائتیا طوعاً و کرھاًقالتا اتینا طاعین فقضھن سبع سموات فی یومین (حم السجدہ۔11)

یعنی زمین میں اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خلقت کے بعد آسمانوں کی خلقت کی طرف متوجہ اور اس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں خواہ خوشی خوشی آؤ یا بہ کراہت آؤ تو دونوں نے کہا کہ ہم بخوشی حاضر ہیں۔ پس اللہ نے ان کو دو دنوں میں سات آسمان بنا دیا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ہمارے نزدیک دن اور رات، سورج کے وجود کے بعد پیدا ہوئے لیکن جب سورج اور چاند نہ تھے تو وہ دن جن کو خدا نے بیان کیا ہے اور اس معروف دن والے دن نہیں ہو سکتے۔ بہر حال پہلے دو مرحلوں میں جمادات پیدا ہوئے، نباتات پیدا ہوئے اور حیوانات پیدا ہوئے جو غیر ذوی العقول تھے اور ذوی العقول مخلوق کی خلقت بعد میں ہوئی جس کی ترتیب تفسیر البیان کے مطابق اس طرح سے ہوئی ہے جو سورہ نور کی آیت نمبر 45 ''واللہ خلق کل دابۃ من ماءٍ'' یعنی اللہ نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

" وانما قال (من ماء) لان اصل انحلق من ماء ثم قلب الیٰ النھار فخلق الجن منہ والی الریح فخلق الملائکۃ منہ ثم الی الطین فخلق آدم (ع)'' تفسیر التبیان جلد 7 صفحہ 448

''یعنی خدا نے جو (من ماء) یعنی پانی سے کہا ہے تو اس لئے کہا ہے کہ کیونکہ تمام مخلوق کی اصل پانی سے ہے پھر پانی سے آگ پیدا کی اور اس سے جن پیدا کئے پھر اس کو ہوا سے بدلا اور اس ہوا سے فرشتے خلق کئے اور پھر اس پانی کو مٹی میں بدلا اور اس مٹی سے آدم کو خلق کیا''۔

جنوں، فرشتوں اور انسانوں کی خلقت کے اس ترتیب سے واقع ہونے پر قرآن

الکریم کی دوسری آیات گواہ ہیں جسے ہم علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

جنوں کی پیدائش کا بیان

خداوند تعالیٰ جنوں کی پیدائش کے بارے میں سورہ الحجر میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

" ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حمإ مسنون و الجان خلقناه من قبل من نار السموم " (الحجر 26-27)

"بیشک ہم نے انسان کو کھنکھناتی سنی ہوئی سیاہ کیچڑ سے پیدا کیا اور ہم نے ہی جنوں کو (انسانوں سے) پہلے تیز آگ سے پیدا کیا تھا۔

لیکن شیخ احمد احسائی اپنے من گھڑت فلسفہ میں یہ کہتا ہے کہ انسانوں کا نور پہلے پیدا ہوا اور جن انسانوں کے نور کی شعاع سے پیدا ہوئے پس اس کا فلسفہ قرآن کے سراسر خلاف ہے۔

فرشتوں کی خلقت کا بیان

خداوند تعالیٰ نے آسمانوں کو خلق کرنے کے بعد جب فرشتوں لئے رہائش اور رہنے سہنے کا انتظام ہو گیا تو اس کے بعد ان آسمانوں میں رہائش کے لئے فرشتوں کو خلق فرمایا جیسا کہ امیر المومنینؑ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

" ثم فتق ما بین السموات والعلا فملاهن اطواراً من ملائکة . منهم سجود لا یرکعون و رکوع لا ینتصبون و صافون لا یتزایلون و مسجون لا یسامون ....الخ .... نہج البلاغہ خطبہ نمبر 1

پھر (زمین کو خلق فرمانے کے بعد جب خداوند تعالیٰ آسمانوں کو خلق فرما چکا تو) اس نے بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کئے اور ان کی وسعتوں کو طرح طرح کے

فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ ان میں سے سر بسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے، کچھ رکوع میں ہیں جو سیدھے نہیں ہوتے، کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ خدا کی پاکیزگی بیان کر رہے ہیں جو اکتاتے نہیں ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کے اس بیان سے صاف طور پر ظاہر اور واضح ہے کہ جب تک خدا نے آسمانوں کو خلق نہ فرمایا اس وقت تک اس نے فرشتوں کو خلق نہ کیا۔ جب فرشتوں کے رہنے، قیام کرنے، ٹھہرنے کے لئے جگہ اور مکان پیدا کر لئے تو اس کے بعد فرشتوں کو پیدا کیا۔

یہ بات اعلان خلقت آدم (ع) سے بھی ثابت ہے کہ فرشتے اور جن آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے موجود تھے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

" واذ قال ربک للملائکة انی خالق بشرا من صلصال من حما مسنون فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له السجدین فسجد الملائکة کلهم اجمعون الا ابلیس ابی ان یکون مع الساجدین " (الحجر 28 تا 31)

" اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر کو کھنکھناتی سنی ہوئی سیاہ سڑی ہوئی کیچڑ سے پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اس کو بنا چکوں اور اسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں (اپنی پیدا کی ہوئی) روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔ پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کر دیا"۔

اس آیت میں آدم علیہ السلام کے خلق کرنے کو بیان کیا گیا ہے یہ اعلان خدا نے فرشتوں کے سامنے یا (واذ قال ربک للملائکة) پس اس سے ثابت ہوا کہ فرشتے آدم علیہ السلام سے پہلے خلق ہو چکے تھے اور جن بھی آدم علیہ السلام سے پہلے خلق شدہ تھے۔

لیکن شیخ احمد احسائی کے فلسفہ میں ترتیب خلقت اس طرح ہے کہ انبیاء کے نور کے شعاع سے انسان پیدا ہوئے اور انسانوں کے نور کی شعاع سے جن پیدا ہوئے اور جنوں کے نور کی شعاع سے فرشتے پیدا ہوئے۔ گویا شیخ احمد احسائی کے اس فلسفہ کی رو سے جن اور فرشتے انسانوں کے بعد خلق کئے گئے اور یہ بات قرآن کریم کی متعدد آیات کے خلاف ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

قرآن کے نزدیک مخلوق کے مختلف طبقات کی خلقت کی ترتیب

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا ہے کہ قرآن کے نزدیک سب سے پہلے خداوند تعالیٰ نے جمادات کو خلق فرمایا۔ جمادات کے بعد اس کے اوپر نباتات کو خلق کیا یا اگایا۔ جب زمین ہی نہ تھی تو نباتات کہاں سے ہوتی۔ جب حیوانات کے لئے چارہ یعنی کھانے پینے کا انتظام ہوگیا تو پھر حیوانات کو خلق فرمایا اور حیوانات کے بعد زمین پر جنوں کو بسانے کے لئے خلق کیا۔ یہ سب زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کے زمرہ میں آتے ہیں اور آسمانوں کو خلق کرنے کے بعد جب فرشتوں کی رہائش کا انتظام کرلیا تو فرشتوں کو خلق فرمایا اور ان کو آسمان کی وسعتوں میں ٹھہرایا۔ اور جب خدا جمادات و نباتات و حیوانات اور فرشتوں کو خلق کرچکا اور اپنی خلقت کے عظیم شاہکار کی تمام ضرورتوں کا بندوبست کرچکا تو اس کے بعد اپنی خلقت کے عظیم شاہکار اشرف المخلوقات حضرت انسان کو خلق فرمایا اور انسان کے علاوہ کسی اور مخلوق کو خلق نہیں کیا جو انسان سے افضل و اشرف ہو اور اس کا قرآن کریم میں واضح طور پر اعلان فرمایا کہ:

ولقد کرمنا بنی آدم حملنا ھم فی البر و البحر و رزقنا من

الطیبات و فضلنا هم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً (بنی اسرائیل:70)

اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت و عظمت بخشی اور خشکی و تری میں اس کو سواریاں عطا کیں اور اچھی اچھی چیزوں سے ان کو روزی دی اور ان کو اپنی کثیر مخلوق پر ایسی فضیلت دی جیسا کہ فضیلت دینے کا حق ہے۔

اور ابلیس نے جو جن تھا اسی وجہ سے آدم کو خدا کے حکم کے باوجود سجدہ نہ کیا کیونکہ اس نے اس بات پر حسد کیا کہ آدم علیہ السلام کو اس پر فضیلت اور بزرگی عطا کر دی گئی ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے خود اس کا قول حکایتاً نقل کیا ہے کہ:

" قال ارئیتک ھذا الذی کرمت علی لئن اخرتنی الیٰ یوم القیمۃ لاحتنکن ذریعہ الا قلیلاً" (بنی اسرائیل:62)

"(یعنی ابلیس نے) کہا کہ بھلا دیکھ تو سہی کیا یہی ہے وہ جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی اور برتری عطا کی ہے اور اس کی تعظیم کرنے کا مجھے حکم دیا ہے۔ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک ڈھیل دے دے تو میں قدرے قلیل کے سوا اس کی ساری اولاد کو آگے لگا لوں گا اور انہیں گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔

ابلیس کے اس بیان سے جسے خداوند تعالیٰ نے حکایتاً بیان کیا ہے واضح طور پر ثابت ہے کہ آدم کو یہ سجدہ ان کی فضیلت، ان کی برتری اور ان کی عظمت کو تسلیم کرنے کے لئے سجدہ تعظیمی تھا اور چونکہ سارے فرشتوں نے یہ سجدہ کیا لہذا اس سجدہ سے ثابت ہوا کہ آدم فرشتوں سے بھی افضل تھے اور انسان کے مخلوقات کے تمام طبقات و انواع کے بعد سب سے آخر میں خلق کرنے میں بھی یہی حکمت تھی کہ جس طرح اشرف الانبیاء کو سب انبیاء کے آخر میں بھیجا اس طرح اشرف المخلوقات انسان کو بھی مخلوقات کے تمام طبقات و انواع کے بعد سب سے آخر میں خلق فرمایا۔

لہذا قرآن کی رو سے انبیاء و رسل اور چہاردہ معصومین (ع) کی نوع انسان سے علیحدہ کوئی اور نوع نہیں ہے خداوند تعالیٰ بالفاظ واضح سورہ اعراف میں فرمارہا ہے۔

" یا بنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیتی فمن اتقی واصلح فلاخوف علیھم ولا ھم یحزنون " (الاعراف:35)

"اے آدم کی اولاد اور کُل کے کُل انسانوں (تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول آئیں گے) تو جب تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول آئیں اور تمہیں میرے احکام پڑھ کر سنائیں (تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا) کیونکہ جو کوئی ایمان اور اطاعت کے ساتھ تقویٰ اختیار کرے گا تو اسے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی حزن و ملال ہوگا۔

اور سورہ انعام میں ہے کہ خدا روز قیامت تمام جنوں اور تمام انسانوں سے یہ سوال کرے گا کہ:

"یٰمعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم آیتی و ینذرونکم لقاء یومکم ھذا" (الانعام:130)

"یعنی اے جنوں اور اے انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تمہی میں سے ایسے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیتیں سناتے اور آج کے دن جو مصیبت تم کو پیش آنے والی ہے اس سے تمہیں ڈراتے"

تفسیر بتیان میں ہے کہ خداوند تعالیٰ کا یہ خطاب اس وقت کے لئے ہے جب تمام مکلفین گروہ جن وانس میدان حشر میں جمع ہوں گے یہ خطاب ان سے دار دنیا میں نہیں ہوگا بلکہ روز محشر کی اس خبر کو خداوند تعالیٰ نے حکایتاً بیان فرمایا ہے۔

(التبیان جلد 4 صفحہ 277)

پس سورہ الاعراف کی آیت نمبر 35 تو یہ کہتی ہے کہ خدا نے رسولوں کو بھیجنے سے پہلے ہی تمام انسانوں سے یہ عہد لے لیا تھا کہ میں تم ہی میں سے اپنے رسول مقرر کروں گا تو جب تمہارے پاس تم ہی میں سے مقرر کردہ میرے رسول آئیں تو تم ان کی اطاعت و پیروی کرنا۔

اور سورہ انعام کی آیت نمبر 130 یہ کہتی ہے کہ خداوند تعالیٰ روز محشر جنوں اور انسانوں کے گروہ سے یہ سوال کرے گا کہ کیا تم ہی میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں میرے احکام بیان کرتے تھے اور آج کے دن سے ڈراتے تھے۔

اور تفسیر تبیان میں ہی یہ بیان ہوا ہے کہ "منکم" سے مراد "انسانوں میں سے" ہے جیسے کہ مذکورہ کا بیان مونث پر تغلیباً ہوتا ہے یا جیسا کہ "اکل خبز ولبنا" کہا جاتا ہے یعنی نے دودھ اور روٹی کھائی حالانکہ میں نے دودھ پیا اور روٹی کھائی تھی اور یہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور ابن عباس کی روایت یہ ہے کہ:

هم رسل الانس الی غیرهم من الجن کما قال تعالیٰ : ولوا الی قومهم منذرین" (الاحقاف:29)

"یعنی وہ انسانوں کی طرف سے ان کے غیر یعنی جنوں میں سے رسول تھے جیسا کہ سورہ احقاف میں آیا ہے کہ "جب جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا تو پھر وہ اپنی قوم کی طرف انہیں ڈرانے کے لئے چلے گئے"

اور ضحاک کا کہنا یہ ہے کہ:

" ذالک یدل علی انہ تعالیٰ ارسل رسلا من الجن وبہ قال الطبری ۔ واختارہ البلغی ایضاً وهو الاقوی " (التبیان جلد 4 صفحہ 277)

یعنی یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جنوں کی طرف سے

جنوں میں سے بھی رسول بھیجے تھے اور مفسر طبری نے بھی یہی کہا ہے اور بلغی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی کہا ہے اور یہ بات زیادہ قوی ہے۔

اور عیون اخبار الرضا میں منقول ہے کہ ایک شامی نے جناب امیر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیا خدا نے جنات میں بھی کوئی نبی بھیجا تھا فرمایا کہ ہاں ایک نبی بھیجا تھا جس کا نام یوسف تھا اس نبی نے ان کو حکم خدا سنایا اور ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔

(حاشیہ مقبول ترجمہ زیر آیہ مذکور)

پس اب تک کے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کی رو سے خداوند تعالی نے سب سے پہلے جمادات کو خلق فرمایا اور پھر نباتات کو خلق فرمایا پھر حیوانات کو خلق فرمایا پھر جنوں کو خلق فرمایا پھر فرشتوں کو خلق فرمایا اور انسانوں کو سب سے آخر میں خلق فرمایا اور انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور اس سے اشرف و افضل اور کوئی مخلوق نہیں ہے۔ خداوند تعالی نے اپنی اشرف المخلوقات مخلوق کی طرف انہیں میں سے اشرف المخلوقات انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا اور انبیاء علیہم السلام اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کی علیحدہ سے کوئی اور نوع نہیں ہے اور نہ ہی ان سے جدا ان کو کوئی اور طبقہ ہے۔

لیکن فلاسفہ یونان ہوں یا دوسرے مسلم فلاسفہ ہوں یا شیخ احمد احسائی ہو چونکہ ان سب نے فلاسفہ یونان کے بنیادی اصول کو اپنایا ہے کہ "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" یعنی ایک چیز میں سے صرف ایک ہی چیز نکل سکتی ہے اس کے بعد سب اس ایک چیز کا جو نکلی ہے کارنامہ ہے۔

پھر مختلف طبقات اور انواع کی تخلیق انہوں نے چراغ کی مثال سے بیان کی ہے کہ جو روشنی چراغ سے زیادہ نزدیک ہوگی وہ زیادہ قوی ہوگی اس چیز کی نسبت جو چراغ سے دور ہو۔ لہذا انہوں نے مختلف طبقات و انواع کی خلقت بھی اسی مفروضہ پر قرار دی کہ جو چیز

سب سے پہلے خدا میں سے نکلی وہ سب سے افضل پھر اس کے بعد والی اس سے کمتر پھر اس کے بعد والی اس سے کمتر وعلی ھذہ القیاس ۔اور یہ فلسفہ قرآن اور فرامین معصومین علیہم السلام کے سراسر خلاف ہے اور اس فلسفہ کا دین اسلام سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہے۔

انسانوں کی خلقت کا بیان

اب ہم خداوندتعالی کے عظیم شاہکار یعنی اشرف المخلوقات انسان کی خلقت کا بیان پیش کرتے ہیں۔

آقائے تقی فلسفی اپنی کتاب ''معاد'' میں مادی اور اسلامی مکتب فکر میں انسان کی حیثیت کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ:

''مکتب مادی کے پیروکار انسان کو صرف ایک حیثیت کا حامل مخلوق سمجھتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ انسان مادہ اور مادہ کے آثار و خواص کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس کے اعضاء ہوں یا اجزاء، ظاہری ہوں یا باطنی، اس کے عقل و ہوش ہوں یا دوسری اندرونی و بیرونی سرگرمیاں غرض سب کچھ مادی ہیں اور مادہ کے افعال و انفعال اور اتار چڑھاؤ سے معرض وجود میں آتی ہیں''۔

بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انسان کے افکار اور سوچیں بھی مادی عوامل و اسباب کا نتیجہ ہیں جو مغز میں جاگزیں ہیں اور معنوی صورت اختیار کر چکی ہیں۔

لیکن مکتب اسلام کے پیروکاروں کا نظریہ یہ ہے کہ انسان صرف ایک حیثیت کا حامل نہیں ہے بلکہ اس میں دو حیثیتیں پائی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ طبعی مخلوق اور عالم کے طبعی عناصر سے بنا ہوا ہے اس لئے وہ مادی حیثیت کا مالک ہے اور قرآن شریف نے انسان کے اس پہلو کو پیش نظر رکھ کر متعدد آیات میں اس بارے میں گفتگو کی ہے چنانچہ کہیں پر فرمایا ہے

کہ ہم نے انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا کہیں پر فرمایا کہ مٹی کے نچوڑ سے پیدا کیا۔ کہیں پر فرمایا لیس دار کیچڑ سے، کہیں پر فرمایا بد بودار دلدل سے اور کہیں پر فرمایا نطفہ سے پیدا کیا۔

لیکن چونکہ آدمی کی سرشت اور نہاد میں خدائی روح مستقر ہو چکی ہے لہذا وہ معنوی ذخائر کا حامل ہے۔ الٰہی امانت کا اہل اور خلافت الٰہیہ کا مستحق قرار پا چکا ہے اور یہی اس کا روحانی اور معنوی پہلو ہے قرآن مجید نے کئی آیات میں انسان کے ان جہات اور صفات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور اس کے مادی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے معنوی اور روحانی حیثیت کی طرف بھی توجہ دلائی ہے جن میں سے ایک جگہ یہ بھی ہے جہاں ارشاد ہے:

" وابدأ خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين ثم سواه و نفخ فيه من روحه" (السجدہ 7 تا 9)

یعنی خداوند تعالیٰ نے انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا پھر انسانی کو مٹی کے خلاصہ میں قرار دیا جو کہ پست اور بے قدر و قیمت پانی ہے لیکن جب اسے رحم میں معتدل بنا دیا تو پھر اس میں اپنی روح پھونک دی۔ (کتاب معاد صفحہ 23 تا 24)

قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسان دو حیثیتوں کا مالک ہے ایک روح اور دوسرے جسم مکتب انبیاء کے پیروکاروں کے نزدیک روح ایک مستقل اور علیحدہ وجود رکھتی ہے اور جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے چنانچہ علامہ تقی فلسفی اپنی کتاب "معاد" میں روح کی سربلندی اور بقا کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

روح کی سربلندی اور بقا

"مکتب انبیاء کے نزدیک انسان دو حیثیتوں کی حامل مخلوق ہے ایک تو مادی اور جسمانی اور دوسری معنوی اور روحانی حیثیت۔ مادی لحاظ سے وہ دوسرے حیوانوں کی مانند

ہے ان جیسی زندگی بسر کرتا ہے بچے پیدا کرتا ہے جوان اور بوڑھا ہوتا ہے لذتوں اور تکلیفوں کومحسوس کرتا ہے انجام کار مر جاتا ہے اور کارگاہ تخلیق میں تحلیل ہوجاتا ہے لیکن معنوی لحاظ سے اس کے اندر خدائی روح ہے جو حیات ابدی کی حامل ہے انسان کے مرنے کے ساتھ ہی اس کے جسم سے جدا ہو کر دوسرے عالم میں منتقل ہوجاتی ہے اور ایسے حالات میں زندہ رہتی ہے جس کی تفصیل ہم سے مخفی ہے البتہ اپنی حیات جاوید کو جاری رکھتی ہے ۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

" الانسان خلق من شان الدنیا و شان الاخرہ فاذاہ جمع اللہ بینھما صارت۔ حیاتہ فی الارض لانہ نزل من شان السماء الی الدنیا ء فاذا فرق اللہ بینھما صارت تلک الفرقہ الموت ، ترد شان الاخریٰ الی السماء و اذالک انہ بفرق بین الارواح والجسد .

فردت الروح والنور الی القدس الاولیٰ و ترک الجسد لانہ من شان الدنیا . فیصیر رفاتا و یبلی و یرجع کل الیٰ جوھرۃ تحرکت الروح بالنفس فما کان من نفس المومن فھو نور موید بالعقل وماکان من نفس الکافر فھو نار موید بالنار فھذہ صورۃ نار فھذا صورۃ نور و الموت رحمۃ اللہ لعبادۃ المومنین و نقمہ علی الکافر " (بحارالانوار جلد 3 صفحہ 124)

یعنی انسان دنیا کی شان اور آخرت کی شان سے پیدا کیا گیا ہے جب خداوند تعالیٰ ان دونوں شانوں کوملا دیتا ہے تو کرہ ارض پر اس کی زندگی کے وسائل فراہم ہوجاتے ہیں کیونکہ موت روح اور جسم کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہے روح اور نور کو قدس اعلیٰ کی طرف لوٹا دیتی ہے اور جسم جو دنیا کی شان ہے کرہ ارض میں رہ جاتا ہے ۔زمین میں منتشر ہوجاتا ہے گل سڑ جاتا ہے اور اس کے مواد طبعی مراکز سے ملحق ہوجاتے ہیں لیکن روح اسی

طرح متحرک اور پائیدار ہوتی ہے مومن کا نفس نوری ہوتا ہے اور عقل اس کی تائید کرتی ہے۔ اور کافر کا نفس آتشی ہوتا ہے جس کی تائید شیطانی ہوش کرتا ہے پس یہ ناری صورت ہے اور وہ نوری صورت ہے اور موت مومنین کے لئے اللہ کی رحمت اور کفار کے لئے خدا کا عذاب ہے

(کتاب معاد صفحہ 110)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی سے ثابت ہے کہ روح اور جسم دو علیحدہ علیحدہ مخلوق ہیں روح نور ہے اور جسم مادہ۔ روح کا مسکن آسمانوں میں ہے اور جسم کا مرکز زمین میں ہے جب یہ دونوں ملے ہوں تو زندگی ہے جدا ہوں تو موت ہے۔

علامہ تقی فلسفی نے اس ضمن میں اپنی کتاب ''معاد'' میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک زندیق سے گفتگو نقل کی ہے جو اس طرح ہے۔

امام جعفر صادق (ع) کی ایک زندیق سے گفتگو

زندیق نے کہا " اخبرنی عن السراج اذا انطفی این یذھب نورہ "

یہ فرمایئے جب چراغ بجھ جاتا ہے تو اس کی روشنی کہاں جاتی ہے۔

امام نے فرمایا: '' یذھب لا یعود " چلی جاتی ہے اور واپس نہیں آتی ''۔

اس جواب میں امام نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فنا ہو جاتی ہے بلکہ فرمایا چلی جاتی ہے لیکن واپس نہیں آتی دراصل زندیق یہ چاہتا تھا کہ امام کے فرمان کے ذریعہ معاد کی نفی پر استدلال قائم کرے لہذا اس نے کہا:

پھر اس میں کیا حرج ہے کہ آپ کہیں انسان بھی چراغ کی مانند ہے جب مر جاتا ہے تو اس کی روح بھی واپس نہیں آتی جس طرح چراغ کی روشنی واپس نہیں آتی۔

امام نے جواب دیا: تمہارا یہ موازنہ غلط ہے کیونکہ چراغ میں جلنے کا مواد ہوتا

ہے جسے ہر صورت میں جلنا چاہیے اور اس کو جل کر ختم ہو جانا چاہیے تا کہ روشنی کے شعلے اس سے ساطع ہوں لیکن روح جسم میں بذات خود ایک مستقل چیز ہے جو جسم کی موت کے ساتھ اسے چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور خداوند عالم بروز قیامت اسے دوبارہ زندہ کرے گا اور روح پھر اسی سے آن ملے گی۔ (کتاب معاد صفحہ 119 بحوالہ احتجاج طبرسی حصہ دوم صفحہ 94)

امام علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی سے صاف ثابت ہے کہ روح جسمانی مادوں کے فعل وانفعال سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ بذات خود علیحدہ سے ایک مستقل چیز ہے جو عالم بالا سے آتی ہے اور عالم بالا کی طرف ہی لوٹ جاتی ہے۔

روح یا معیار انسانیت

علامہ تقی فلسفی اپنی کتاب معاد میں مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں دو کلمے ''روح'' اور ''نفس'' چند مقامات پر استعمال ہوئے ہیں ان کے متعدد معانی ہیں ان میں سے ایک معنی وہ روح ہے جو خدائی پھونک کے ساتھ آدمی کے بدن میں پھونکی گئی ہے اور انسانیت کا معیار قرار پائی بدن کے مرجانے کے بعد روح اس طرح زندہ رہتی ہے۔ (کتاب معاد صفحہ 112)

اس کے بعد فاضل مؤلف نے اس کے ثبوت میں دو ایسی آیات بیان کی ہیں جن میں روح اور نفس سے مراد وہ روح ہے جو انسان کے جسم میں پھونکی گئی ہے۔

نمبر 1: " ثم سواه و نفخ فيه منه روحه''

''یعنی پھر اس نطفہ کو اچھی طرح آراستہ کیا اور اپنی روح سے اس میں پھونکا''

فاضل مؤلف کتاب ''معاد'' لکھتے ہیں کہ یہاں پر ''روح'' یعنی انسانی جان مراد ہے۔

نمبر2: ''یا ایتھاالنفس المطمئنۃ الرجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیہ''

مومن کی روح کے بدن سے نکلنے کے موقع پر اسے خطاب ہے ''اے ایمان کے ساتھ مطمئن نفس اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا کہ تو خدا سے راضی اور خدا تجھ سے راضی'' فاضل مولف کتاب فرماتے ہیں کہ یہاں پر ''نفس'' سے مراد انسانی روح ہے۔

(کتاب معاد صفحہ 112۔113)

اور تفسیر تبیان میں آیہ وافی ھدایہ

" قل یتوفیکم ملک الموت الذی و کل بکم ثم الی ربکم ترجعون " (السجدہ۔11)

''یعنی اے پیغمبرؐ تم کہہ دو کہ ملک الموت جو تم پر معین کیا گیا ہے تم کو قبض کر لیتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاتے ہو۔

کی تفسیر میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

" امر اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ و آلہ ان یخاطب المکلفین ان یقول لھم " بیتوفکم ملک الموت " ای یقبض ارواحکم قال قنادہ یتوفکم و معہ اعوان من الملائکۃ والتوفی اخذ الشئی علی تمام۔

فملک الموت یتوفی الانسان یاخذروحہ علی تمام فیعرج بھا الی حیث امر اللہ تعالیٰ و قولہ ینوفکم یقنفی ان روح الانسان ھی الانسان فالا ضافۃ فیھا وقعت کماوقعت فی نفس الانسان "

(التبیان جلد 8 صفحہ 299)

یعنی خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ آپ تمام مکلفین سے خطاب کریں اور ان سے یہ کہہ دیں کہ تمہیں ملک الموت وفات دیتا ہے یعنی

تمہاری روحوں کو قبض کر لیتا ہے۔

اور قتادہ نے کہا وہ تمہیں وفات دیتا ہے اور اس کے ساتھ اور دوسرے ملائکہ معاون ہوتے ہیں اور توفی کا معنی کسی چیز کا پورا کا پورا بے کم و کاست، سالم کا سالم لے لینا ہے۔پس ملک الموت اس کی روح کو قبض کر کے پورا کا پورا، سالم کا سالم، بے کم و کاست لے لیتا ہے۔اس کے بعد وہ اسے لے کر جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے چلا جاتا ہے اور اس کے قول "**یتوفکم**" کا تقاضا یہ ہے کہ یقینی طور پر انسان کی روح ہی اصل انسان ہے۔کیونکہ اس میں اضافت خود انسان کی طرف سے واقع ہوتی ہے۔

اور تفسیر بتیان میں "**ترجعونها ان کنتم صادقین**" (الواقعہ: 87) کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

" **والرجع جعل الشئی علی الصفة التی کان علیها قبل و هو انقلابه الی الحال الاول والانقلب الی غیر ها لم یکن راجعا** "

(تفسیر البتیان جلد 9 صفحہ 513)

یعنی کسی چیز کے لوٹنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی اس حالت میں چلی گئی جس میں وہ پہلے تھی اور یہ اس کا اس کی پہلی حالت کی طرف لوٹنا ہے اور اگر دوسری حالت میں لوٹے گی تو اسے رجع یعنی لوٹنا نہیں کہا جا سکتا اور یہ اس کا لوٹنا نہ ہوگا۔

پس آیہ وافی ھدایہ "**یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیه**" میں جو مطمئن نفس کے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی بات کہی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ روح اپنے رب کی طرف سے ہی آئی تھی اور ثواب و جزا کے لئے پھر اسی کی طرف لوٹ جائے گی۔

انسانی کی خصوصی روح

علامہ تقی فلسفی مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"انسان کے اندر حیوانی روح کے علاوہ اور ایک روح بھی پائی جاتی ہے جو صرف اس کے ساتھ ہی مخصوص ہے جسے قرآن مجید نے "خدائی روح" سے تعبیر کیا ہے اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس روح کی حقیقت دنیا کے تمام لوگوں پر مخفی ہے۔ خواہ وہ عالم ہیں یا جاہل اور اس امر الٰہی کی گہرائیوں سے کوئی بھی واقف نہیں ہے لیکن بعض تحقیق طلب اور جستجو کے دلدادہ مسلمانوں نے مناسب موقع پر دینی پیشواؤں سے اس کے بعض اوصاف اور خصوصیات کے بارے میں سوالات کیئے اور ان کے جوابات بھی حاصل کیئے جن سے روح کے کچھ مسائل اور مطلب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جن میں سے ایک یہ ہے۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے خدا کے قول کے بارے میں دریافت کیا" " و نفخت فيه من روحي "

یعنی جب میں اس میں روح پھونکوں "یہ روح کا پھونکنا" کیسا ہے؟

تو امام علیہ السلام نے فرمایا۔

" ان الروح متحرک کالريح وانما سمي روحالانه اشتق اسمه من الريح وانما اخرجه عل الفطة الريح لان الارواح مجانسة الريح وا نما اضافه الی نفسه لا نه اصطفاء علي سائر الارواح کما قال للبيت من البيوت بيتي والرسول من الرسل خليلي واشباه ذالک و کل ذالک مخلوق مصنوع محدث مربوب مدبر "

یعنی روح بھی ہوائی لہروں کی طرح متحرک ہے اور اسے روح اس لئے کہتے ہیں

کہ اس کی لہریں ہوا کی لہروں سے ملتی جلتی ہیں اور خدا نے اسے اپنی طرف اس لئے نسبت دی ہے کہ اسے دوسری ارواح سے منتخب کر لیا جیسا کہ خانہ کعبہ کو اپنا گھر اور حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل کہا ہے اسی طرح اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے یہ سب خدا کی مخلوق اس کی پیدا اور ایجاد شدہ ملکیت اور تدبیر یافتہ ہیں۔

(کتاب معاد بحوالہ اصول کافی جلد 1 صفحہ 133)

پھر فاضل مولف روح خدا کے عنوان سے اس حدیث کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمد بن مسلم کی روایت سے دوسرا نکتہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس روح کا تعلق خدا کی ذات ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مکتب کے پیروکار اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمام ہستی اور جو کچھ اس کے درمیان ہے جس میں کرۂ زمین کی تمام مخلوقات کی ارواح بھی ہیں سب وحدہ ولاشریک خالق کی تخلیق ہیں۔ لیکن جو روح خدا نے انسان میں پھونکی ہے اس میں نہایت ہی اہم خصوصیات موجود ہیں جو دوسری ارواح میں نہیں ہیں اسی لئے خداوند عالم نے اپنی پیدا کردہ تمام ارواح سے اسے منتخب کیا ہے اور اپنی طرف نسبت دی ہے جس طرح خانہ کعبہ کو اپنا گھر کہا ہے اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو اپنا خلیل کہا ہے۔

(کتاب معاد صفحہ 119-120)

انسانی شرافت کا معیار

علامہ تقی فلسفی اپنی مذکورہ کتاب میں مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"یہ روح ہی ہے جو انسانی کرامت و شرافت اور بزرگی کا سرمایا ہے اور انسانوں کی انسانیت کا معیار ہے۔ یہ روح ہی ہے کہ خداوند عالم نے جس کے لئے اس قدر باعظمت کائنات کو مسخر کر دیا ہے اور اس کے لئے سربلندی، ارتقاء اور تکامل کی راہیں کھول

دی ہیں یہ روح ہی تو ہے جس کے ذریعے خداوند عالم نے انسان کو آزادی اور خودمختاری کی نعمت سے نوازا ہے اور اسے اپنے اوامر کی ادائیگی اور دینی فرائض کی انجام دہی سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ روح ہی ہے جس کی وجہ سے انسان کو نہ صرف اس کائنات کی زندہ مخلوق پر برتری عطا کی گئی ہے بلکہ اسے فرشتوں پر بھی فوقیت عطا ہوئی ہے اور مسجود ملائکہ قرار پایا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ایک حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

" فلما اراد الله ینفخ فیه الروح خلق الله تعالیٰ روح آدم لیست کالارواح و هی روحا فضلها الله علی جمیع ارواح الخلق من الملائکة و غیر هلا فلما خلق الله تعالیٰ روح آدم امر بغمسها فی جمع الانوار ثم امر ها ان تدخل فی جسد آدم "۔

جب خداوند تعالیٰ نے آدم کے پیکر خاکی میں روح پھونکنے کا ارادہ کیا تو آدم کی روح کو پیدا کیا یہ روح دوسری روحوں کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ وہ روح ہے جسے خدا نے فرشتوں سمیت اپنی ذی روح اور تمام زندہ مخلوقات کی ارواح پر فضلیت دی ہے اور جب خدا نے آدم علیہ السلام کو خلق فرمایا تو حکم دیا کہ اسے تمام انوار میں غوطہ دیا جائے اور اسے تمام روشنیوں اور معلومات سے نوازا جائے۔ پھر حکم دیا کہ اسے آدم کے جسد خاکی میں داخل کیا جائے۔ (کتاب معاد صفحہ 20 بحوالہ تفسیر برہان صفحہ 549)

کمال مطلق کی صلاحیت

پھر فاضل مصنف سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے مذکورہ عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

یہ روح ہی ہے جس میں کمال مطلق اور بے انتہا ترقی کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

اگر انسان اپنی عقل سے کام لے جو کہ انسانی روح کا پرتو ہے تو اسے اپنا راہنما قرار دے اور مستقل ارادے کے ساتھ انسانیت کی راہیں طے کرے جن میں مادیت اور معنویت دونوں پائی جاتی ہیں تو فرشتوں سے بھی برتر ہوگا اور سربلندی اور ارتقاء کے مدارج کو پالے گا جن کی وہ لیاقت رکھتا ہے لیکن اس کے برعکس اگر وہ اپنی آزادی سے غلط فائدہ اٹھائے، عقل و انسانیت کو پس پشت ڈال دے، شہوات اور غرائض کا بے دام غلام بن جائے تو جانوروں سے بھی پست تر ہوگا اور اسفل السافلین میں جاگرے گا۔ (کتاب معاد صفحہ 120-121)

انسانی روح کیا ہے؟

آقائے تقی فلسفی اپنی کتاب معاد میں "مادہ پرستوں کے نزدیک زندگی کیا ہے؟" کے زیرعنوان لکھتے ہیں:

"مادہ پرستوں کے نقطہ نظر سے زندہ چیزوں میں حیات صرف مادہ کے زمانی اور مکانی رابطے اور ان کی باہمی وضعی کیفیت، وابستگی اور پیوستگی کا نام ہے وہ زندگی کے استقلال اور اصلیت کے قائل نہیں ہیں اس پیچیدہ اور تعجب آور چیز کو عالم اور صاحب حکمت خالق کی مخلوق نہیں سمجھتے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اس کائنات کی تمام زندہ مخلوق چاہے وہ نباتات ہوں یا حیوانات اور ان کی تخلیق میں جو منظم حساب و کتاب اور حکمت کارفرما ہے سب مادہ کی حرکت کا نتیجہ اور اندھے اور بے شعور اتفاق کی پیداوار ہے۔ ڈاکٹر تقی ارانی مردہ مادہ کے ذی روح ہونے اور روح کی تعریف میں یوں کہتے ہیں "اگر مادہ کے اجزاء مخصوص زمانی اور مکانی رابطہ پیدا کرلیں تو وہ ذی روح بن جاتے ہیں اور روح انہی اجزا ذی روح کے رابطہ کا نام ہے اور جب یہ مخصوص رابطہ زبردستی تبدیلی پیدا کرلے تو مادہ بے روح ہو جاتا ہے۔

(کتاب المعاد صفحہ 123-124)

آقائے تقی فلسفی نے روح کے بارے میں مادئین کے جن نظریات کو بیان کیا ہے شاید کسی شاعر نے اپنے اس شعر میں اس نظریہ کو نظم کیا ہے وہ کہتا ہے۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب ؎

موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشان ہونا

بہرحال مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ مادئین کے نزدیک اگر مادہ کے اجزاء مخصوص زمانی اور مکانی رابطہ پیدا کرلیں تو وہ ذی روح بن جاتے ہیں ان کے نزدیک نباتات وحیوانات اور انسانوں میں روح اسی طرح سے پیدا ہوتی ہے جس طرح نباتات میں نباتاتی روح ہوتی ہے۔ حیوانات میں حیوانی روح ہوتی ہے اور انسانوں کی روح نفس ناطقہ کہلاتی ہے۔

لیکن مکتب اسلام یہ کہتا ہے کہ انسان میں نفس نباتی یعنی نشو ونما والی روح اور نفس حس حیوانیہ یعنی حرکت والی روح اور نفس ناطقہ یعنی عقل وشعور والی روح کے علاوہ ایک اور روح ہوتی ہے جو انسان کے اندر مذکورہ تینوں نفوس یا ارواح کی موجودگی میں پھونکی جاتی ہے جب وہ قبض کرلی جاتی ہے تو مذکورہ تینوں نفوس یا ارواح بھی اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں خداوندتعالی نے اس بات کو سورہ زمر میں اس طرح سے بیان فرمایا ہے۔

"اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت و یرسل الاخریٰ الی اجل مسمی ان فی ذالک لایات لقوم یتفکرون" (الزمر:41)

ترجمہ: اللہ جانوں کو اس کی موقت کے وقت لے لیتا ہے اور جو نہیں مرے ان کی (جانوں کو) سونے کے وقت لے لیتا ہے۔ پس جن پر موت کا حکم صادر کرچکا ہے تو اس کو روک لیتا ہے اور دوسرے کو ایک وقت معین تک کے لئے بھیج دیتا ہے۔ بیشک اس میں لوگوں

کے لئے جو غور و فکر کریں نشانیاں موجود ہیں۔

تفسیر بتیان میں اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھا ہے:

قیل : ان الموت ۔ ههنا ، المراد به النوم ، والتوفی ، ههنا۔ توفی نفس روح ۔ فاذا نام قبضت نفسه و بقیت روحه، والروح هو الذی بها الغظلیظ والنفس هی التی یکون بها التمیز فاذا مات قبضت نفسه و روحه" (التبیان جلد 9 صفحہ 31)

یعنی بعض نے یہ کہا ہے کہ موت سے مراد یہاں پر نیند ہے اور توفی یعنی قبض کرنے سے مراد یہاں نفسوں کا قبض کرنا ہے۔ روح کا نہیں ۔ کیونکہ ابن عباس نے کہا کہ ابن آدم میں ایک نفس ہوتا ہے اور ایک روح ہوتی ہے ۔ جب وہ سوتا ہے تو اس کا نفس قبض کرلیا جاتا ہے لیکن اس کی روح جسم میں موجود ہوتی ہے اور روح سے تو اس کی حیات قائم رہتی ہے اور نفس وہ ہوتا ہے جس سے تمیز ہوتی ہے جب اس کی موت آتی ہے تو اس کا نفس اور اس کی روح دونوں قبض کر لیے جاتے ہیں۔

پھر آیہ کی مزید تفسیر کرنے کے بعد لکھتے ہیں

" وقد ذکرنا ماروی عن ابن عباس من ان قبض الروح یکون منه میتاً و قبض النفس یکون به فاقداً للتمیز والعقل وان لم یفقد حیاته"

(التبیان جلد 9 صفحہ 32)

جو کچھ ابن عباس سے روایت میں آیا ہے اسے ہم سابق میں ذکر کر آئے کہ قبض روح سے تو موت آجاتی ہے اور قبض نفس سے تمیز اور عقل کا فقدان ہو جاتا ہے۔ اگر چہ اس کی زندگی کا فقدان نہیں ہوتا بلکہ وہ نیند کی حالت میں بھی زندہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں

" والفرقبين قبض النوم والموت ان قبض النوم بضاد ليقظةو قبض الموت يضاد الحيات و قبض النوم تكون الروح في البدن و قبض الموت يخرج الروح منه عن البدن " (التبیان جلد 9 صفحہ 32)

یعنی نیند کی حالت میں قبض کرنے اور موت کی حالت میں نفس کو قبض کرنے میں یہ فرق ہے کہ نیند کی حالت میں قبض کرنا تو بیداری کی ضد ہے اور موت کے وقت قبض کرنا زندگی کی ضد ہے۔ اور نیند کی حالت میں قبض نفس کے وقت روح بدن کے اندر رہوتی ہے اور موت کے وقت قبض کرنے کی صورت میں روح بدن سے نکل جاتی ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسانی جسم کے اندر نفس نامیہ نباتیہ اور نفس حیہ حیوانیہ کے علاوہ دو اور نفس ہوتے ہیں ایک نفس ناطقہ جس سے انسان تعقل اور تمیز کرتا ہے اور دوسرے روح حیاۃ جس سے زندگی کا دارومدار ہے اور یہ مذکورہ تینوں نفوس کی موجودگی میں علیحدہ سے انسان کے اندر پھونکی جاتی ہے اور یہ مستقل طور پر علیحدہ سے خلق کی ہوئی ہوتی ہے اور یہی روح اصل انسان ہے۔ پس اس طرح سے ہر انسان میں چار نفوس یا چار ارواح پائی جاتی ہیں جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے بھی انسانوں کی ان چاروں نفوس یا ارواح کا حال کمیل ابن زیاد سے بیان فرمایا تھا یہ روایت اس طرح سے ہے۔

" روی عن كميل ابن زياد قالسالت مولانا امير المومنين عليه السلام ، فقلت يا امير المومنين اريد ان تعرفني نفسي ، قال يا كميل و اى الانفس تريد ان اعرفك قلت يا مولا ى هل هي الانفس واحدة قال يا كميل انما هي اربعة النامية النباتية . الحسية الحيوانية والناطقة القدسية ، واكلية الالهية ، ولكل واحد من هذا النفوس خمس قوى النامية النباتية لها خمس قوى : ماسكه و جاذبه و حاضمه و دافعه و مربية

ولها خاصيتان : الزيادہ والنقصان ، وانبعاتها من الكبد ۔

الحسية الحيوانية : لها خمس قوی سمع وبصروشم و ذوق و لمس ۔ ولها خاصيتان الرضا والغضب ، انبعاثها من القلب ، والناطقة القدسية لها خمس قوی فکروذکر وعلم و حلم و بباهة و ليس لها انبعاث و هي اشبة الاشياء بالنفوس الملکيه ولها خاصيتان۔ النزاهة والحکمة ، الکلية الالهية ۔ لها خمس قوی بقا في فناء ونعيم في شقاء وعزفي ذل ، و فقر في غناء ، ونفخت فيه من روحي و قال الله تعالیٰ يا ايتها النفس المطمئنة ارجعي الی ربک راضية مرضية والعقل وسط الکل "

(احسن الفوائد صفحہ 171 تا 174)

ترجمہ: کمیل ابن زیاد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ مولا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے نفس کی شناخت کروادیں۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے کمیل کس نفس کے متعلق چاہتے ہو کہ تمہیں شناخت کراؤں۔ کمیل نے عرض کیا کہ مولا کیا نفس ایک سے زائد ہیں۔ آپ نے فرمایا نفس چار ہیں۔

نمبر 1: نامیاتی نباتیہ کی 5 قوتیں یہ ہیں (۱) ماسکہ (۲) جاذبہ (۳) ہاضمہ (۴) دافعہ (۵) مربیہ اور اس نفس کی بھی دو خاصیتیں ہیں زیادتی ونقصان اور یہ نفس جگر کی حرارت سے پیدا ہوتا ہے۔

نمبر 2: حس حیوانیہ کی بھی پانچ قوتیں ہیں (۱) سننا (۲) دیکھنا (۳) سونگھنا (۴) چکھنا (۵) چھونا اس نفس کی بھی دو خاصیتیں ہیں رضا وغضب یہ نفس حرارت قلب سے پیدا ہوتا ہے۔

نمبر 3: ناطقہ قدسیہ کی پانچ قوتیں یہ ہیں (۱) فکر (۲) ذکر (۳) علم (۴) حلم (۵) نباہت (

نام آور بزرگ ہونا) اور یہ نفس جسم میں پیدا نہیں ہوتا ۔ یہ نفس نفوس ملکیہ یعنی ملائکہ سے مشابہ ہے اور اس نفس کی بھی دو خاصیتیں ہیں (۱) اخلاق ذمیمہ سے پاکیزگی (۲) حکمت

نمبر 4: نفس کلیہ الہیہ کی بھی پانچ قوتیں ہیں (۱) فنا میں بقا (۲) تختی میں نعمت (۳) ذلت میں عزت (۴) فقر میں غناء (۵) مصیبت میں صبر اور اس نفس کی بھی دو خاصیتیں ہیں (۱) رضا (۲) تسلیم اور یہی نفس وہ ہے جو اللہ کی طرف سے آیا ہے اور اللہ ہی کی طرف پلٹ جائے گا باری تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ آدم میں ، میں نے اس روح کو پھونکا ہے جو میری طرف منسوب ہے اسی نفس کے متعلق باری تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ اے نفس مطمئن میری طرف اس حالت میں پلٹ آ کہ تو اپنے رب سے راضی اور تیرا رب تجھ سے راضی ہے اور عقل ان چاروں نفسوں کے حد اعتدال کا نام ہے۔

روح کی خلقت کا بیان

اب تک کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ روح کی خلقت کے بارے میں دو نظریئے ہیں ایک مادہ پرستوں کا نظریہ ۔ دوسرے مکتب انبیاء کی پیروی کرنے والوں کا نظریہ۔

مادہ پرستوں کے نزدیک زندہ چیزوں میں حیات صرف مادہ کے زمانی و مکانی رابطے اور ان کی باہمی وضعی کیفیت و وابستگی و پیوستگی کا نام ہے اور وہ روح یا زندگی کے استقلال اور اصلیت کے قائل نہیں ہیں وہ اسے صاحب حکمت خالق کی مخلوق نہیں سمجھتے ۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اس کائنات کی تمام زندہ مخلوق چاہے وہ نباتات ہوں یا حیوانات و انسان ان کی تخلیق میں جو منظم حساب و کتاب اور حکمت کارفرما وہ سب مادہ کی حرکت کا نتیجہ ہے اور بے شعور اتفاق کی پیداوار ہیں ۔ اگر مادہ کے اجزاء مخصوص زمانی و مکانی رابطہ پیدا

کرلیں تو ذی روح ہوجاتے ہیں اور روح انہیں اجزاء کے رابطہ کا نام ہے اور جب یہ رابطہ ختم ہوجاتا ہے تو وہ بے روح ہوجاتا ہے ۔پس مادئین کے نزدیک روح مادہ کے فعل و انفعال سے پیدا ہوتی ہے اور مادہ کے زمانی و مکانی رابطہ کے ختم ہوجانے کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے اور ان کے نزدیک یہ باقی رہنے والی چیز نہیں ہے۔

لیکن مکتب انبیاء کی پیروی کرنے والوں کے نزدیک روح خالق حکیم کی ایک بالکل علیحدہ مخلوق ہے جو اپنا مستقل وجود رکھتی ہے روح ایک نور ہے جسے خداوند تعالیٰ جسم کی تکمیل کے بعد اس میں داخل کرتا ہے یہ ایک عرصہ تک جسم کے ساتھ دنیا میں رہتی ہے اور جب مقررہ مدت ختم ہوجاتی ہے تو خداوند تعالیٰ اپنے بھیجے ہوئے فرشتوں کے ذریعے واپس بلالیتا ہے پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

''تمہیں بقا کے لئے خلق کیا گیا ہے فناء کے لئے نہیں ۔پس وہ جسم جو مرتا ہے اور مٹی میں مل جاتا ہے لیکن روح باقی اور زندہ رہتی ہے اور جسم کے مرنے سے لے کر دوبارہ زندہ کو اٹھائے جانے تک عالم برزخ میں رہتی ہے اور دنیاوی زندگی میں اپنے کئے ہوئے اعمال کا نتیجہ دیکھتی ہے نعمتوں میں رہتی ہے یا عذاب میں رہتی ہے اور آخر میں پھر جب خدا سب مردوں کو زندہ کرے گا تو ہر روح کو اسی کے جسم میں داخل کر کے دوبارہ زندہ اٹھا کر کھڑا کرے گا اور پھر حساب و کتاب اور روز محشر کے سوال و جواب کے بعد یہ روح اپنے جسم کے ساتھ یا ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہے گی یا ہمیشہ دوزخ میں رہے گی اور بعض ارواح ایسی بھی ہوں گی جو اپنے جسم کے ساتھ کچھ عرصہ پہلے اپنے اعمال کی وجہ سے دوزخ میں رہنے کے بعد خداوند تعالیٰ کے اذن سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوجائیں گے اور پھر وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گی۔

پس مکتب انبیاء کی پیروی کرنیوالوں کے نزدیک روح ایک علیحدہ مخلوق ہے روح

ایک مستقل وجود ہے روح نور ہے روح فنا نہیں ہوتی روح باقی رہتی ہے مرنے کے بعد عالم برزخ میں رہتی ہے قیامت کے دن دوبارہ جسموں میں داخل ہو کر یا جنت میں جائے گی یا دوزخ میں رہے گی۔

مکتب انبیاء کی پیروی کرنے والوں میں روح کی خلقت کے بارے میں اختلاف

مکتب انبیاء کی پیروی کرنے والوں میں بھی روح کی خلقت کے بارے میں اختلاف ہے ایک جماعت روح کے جسم کی خلقت سے دو ہزار سال پہلے یا چودہ ہزار سال پہلے عالم ارواح میں خلق ہونے کی قائل ہے۔ دوسری جماعت کے نزدیک ہر انسان کی روح اس کے جسم کی تکمیل کے بعد خلق کر کے اس میں بعد میں پھونکی جاتی ہے۔ علامہ تقی فلسفی اپنی کتاب ”معاد“ میں ان دونوں نظریات کو بایں عنوان بیان کرتے ہیں۔

روح کی تخلیق کے بارے میں دو نظریے

جو لوگ روح کو ایک خلق شدہ چیز اور حادث مانتے ہیں اس کی پیدائش کے بارے میں ان کے دو نظریے ہیں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ روح کی تخلیق بدن کی پیدائش سے پہلے ہوئی اور بدن کے ختم ہو جانے کے بعد روح باقی اور پائیدار رہتی ہے۔ بنا بریں ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق انسانی روح ”روحانية الحدوث“ بھی ہے اور ”روحانية البقا“ بھی ہے (یعنی علیحدہ سے مستقل طور پر پہلے سے روح ہی خلق ہوئی ہے اور علیحدہ سے مستقل طور پر باقی رہنے والی مخلوق ہے جو پیدائش کے وقت جسم میں داخل کی جاتی ہے اور موت کے وقت نکال لی جاتی ہے۔ موت سے قیامت تک عالم برزخ میں رہے

گی اور قیامت کے بعد دوبارہ جسموں میں پھر داخل کر کے ان جسموں کو زندہ کیا جائے پھر جنت ہے یا دوزخ)۔

اور کچھ لوگ وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہر انسان کی روح اس کے جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور اس کی پیدائش کے نطفہ کے مختلف مراحل طے کرنے، جسم کے مسلسل متغیر رہنے اور مادہ کے انتہائی ارتقاء کی صورت میں ہوتی ہے اس لئے ان کے نزدیک انسانی روح ''جسمانية الحدوث'' اور ''روحانية البقا'' ہوتی ہے۔(کتاب معاد صفحہ 235)

اس نظریہ میں جو ''جسمانية الحدوث'' کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح جسم انسانی اپنی خلقت کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا پہلے علقہ یعنی منجمد خون بنتا ہے پھر مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے پھر وہ لوتھڑا عظام یعنی ہڈیوں میں بدل جاتا ہے پھر ان ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھتا ہے اور پھر مکمل انسان بن جاتا ہے۔ ان ارتقائی منازل میں اور مراحل میں سے آخری مرحلہ روح کی خلقت کا ہے اور ''روحانية البقا'' کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ جب روح پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ باقی رہتی ہے۔

اس اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد فاضل مولف اس موضوع کی مزید تشریح کرتے ہوئے اگلے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

جسم سے پہلے روح کی تخلیق

بعض مسلمان علماء اور فلاسفہ کا تعلق پہلے گروہ سے ہے اور وہ جسم کی تخلیق سے پہلے روح کی تخلیق کے قائل ہیں۔ مرحوم شیخ صدوق رضوان اللہ علیہ کا شمار بھی اسی گروہ میں ہوتا ہے۔ یہ علماء اپنے موقف کے ثبوت میں پیشوایان اسلام کی بعض روایت سے استشہاد کرتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک یہ حدیث بھی ہے۔

"خلق الله الارواح قبل الجساد بالفی عام"

''خدا نے اجسام کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا کیا ہے''

(کتاب معاد صفحہ 236)

شیخ مفید کا مذکورہ نظریہ سے اختلاف

آقائے تقی فلسفی شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے مذکورہ نظریہ کے خلاف شیخ مفید علیہ الرحمہ کا نظریہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن شیخ مفید نور اللہ ضریحہ عقائد صدوق کی شرح میں فرماتے ہیں

''واما ما ذكره ابو جعفر و روى ان لا رواح مخلوقه قبل الاجساد بالفي عام فما تعارف منها ائتلف و تناكر منها اختلف فهو حديث من الاحاد و خبر من طرق الا فراد وله وجه غير ماظنه مالم تعارف منها اذا ذاكر اختلف بعد خلق البشر"

ترجمہ: جو کچھ ابو جعفر (شیخ صدوق) نے کہا ہے اور روایت بیان کی ہے کہ اجسام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل روحوں کو پیدا کیا گیا ہے یہ حدیث احاد میں سے ہے اور افراد کے ذرائع کی خبر میں سے ہے اور اس کا معنی وہ نہیں ہے جو شیخ صدوق نے سمجھا ہے ایسی روایات میں روح سے مراد ملائکہ ہیں جنہیں خالق کائنات نے بشری تخلیق کے دو ہزار سال قبل خلق فرمایا ہے جن کی دنیاوی تخلیق سے پہلے باہم آشنائی ہو گئی وہ تخلیق انسانی کے بعد اس سے جا ملے اور جن کی آشنائی نہیں ہوئی وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ (کتاب معاد صفحہ 236)

اب قابل غور بات یہ ہے کہ اگر روح جسم انسانی کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے یا کئی ہزار سال پہلے خلق نہیں ہوئی تو پھر کب خلق ہوئی اس کے بارے میں فاضل مولف

اگلے عنوان سے تحت لکھتے ہیں۔

روح کی جسم کے ساتھ تخلیق

بعض مسلمان علماء اور فلاسفہ کا تعلق دوسرے گروہ سے ہے جو روح کو" جسمانیۃ الحدوث" اور" روحانیۃ البقا" سمجھتے ہیں اور مرحوم صدر المتالھین شیرازی اس دوسرے گروہ سے ہیں وہ اس بحث میں" حرکت جوہری" کو اپنے استدلال کی بنیاد اور اصل قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

روح ایک مجرد چیز ہے وہ جسم کے ارتقائی منازل طے کرنے اور مادہ کے تبدیلی اختیار کرنے کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہے اور ایک آیت کے ضمن میں مختصر جملے کے ساتھ اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

خداوند عالم نے قرآن شریف میں رحم مادر میں انسانی نطفہ کے مختلف مراحل کو طے کرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے" ہم نے نطفہ کو علقہ بنایا، علقہ کو گوشت کا لوتھڑا بنایا، اس لوتھڑے سے ہڈیاں پیدا کیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر فرمایا" ثم انشاناہ خلقاً اخر" آخری مرحلہ میں اس نطفہ میں ہم نے تبدیلی کی اور اس ترقی یافتہ جسم کو ایک مخلوق بنایا۔ (کتاب معاد صفحہ 236)

اس کے بعد انسانی روح یا دوسری مخلوق کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

انسانی روح یا دوسری مخلوق

یہ دوسری مخلوق انسانی روح ہی کو بننا مناسب ہے جس روح کو خود خدا نے اپنی طرف منسوب فرمایا اور سربلندی اور ارتقاء کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے اسے نامحدود لیاقتوں سے نوازا ہے اور تخلیقی نقطہ نظر سے یہ دوسری مخلوق اس قدر اہم ہے کہ خداوند عالم اس

کی تخلیق کے بعد خود کو اعلیٰ ترین تعظیم کا مستحق سمجھتے ہوئے خود کو بہترین خالق بتاتا ہے اور فرماتا ہے "فتبارک الله احسن الخالقین" پس کس قدر باعظمت ہے وہ خدا جو سب سے بہترین خالق ہے۔ (کتاب معاد صفحہ 236-237)

انسان کی آخری شکل

بیشک خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کی خلقت کے چھ مراحل بیان کیے ہیں پہلا مرحلہ نطفہ ہے۔ دوسرا مرحلہ علقہ یعنی جما ہوا خون ہے۔ تیسرا مرحلہ مضغہ یا گوشت کا لوتھڑا ہے چوتھا مرحلہ اس لوتھڑے کو ہڈیوں میں بدلنا ہے اور پانچواں مرحلہ ہڈیوں پر گوشت پوست کا چڑھانا ہے۔ یہ پانچوں مراحل وہ ہیں جس میں انسان اور دوسرے حیوانات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہذا "ثم انشاناہ خلقا اٰخر" سے مراد روح کی خلقت نہیں بلکہ اس سے مراد انسان کی خلقت کا چھٹا مرحلہ ہے یعنی انسان کی شکل وصورت کا بنانا ہے اور اس کو درست اور ٹھیک ٹھاک کرنا ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ:

" وصورکم فاحسن صورکم " (المومن۔64)

اس نے تمہاری صورت بنائی اور کیا ہی بہترین صورت بنائی۔ خلقت کے پہلے پانچوں مراحل وہ ہیں جن میں حیوان اور انسان سب یکساں ہیں لیکن چھٹا مرحلہ " صورکم " ہے اور یہی مرحلہ "ثم انشاناہ خلقا اٰخر" کا مرحلہ ہے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے

" الذی احسن کل شی خلقه و بداخلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سللة من ماءٍ مهین ثم سواه و نفخ فیه من روحه" (السجدہ۔9)

ہم نے ہر چیز کو جسے بھی پیدا کیا بہت ہی اچھا پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کی ابتدا مٹی سے کی پھر اس کی نسل کو ایک ذلیل پانی کے خلاصہ سے قرار دیا۔ پھر اس نطفہ کو ٹھیک

ٹھاک کیا اور اپنی پیدا کی ہوئی روح اس میں پھونکی "ثم انشاناہ خلقا اخر " سے مراد چھٹا اور آخری مرحلہ ہے اور وہ " صورکم فاحسن صورکم " کا مرحلہ ہے یعنی انسانی شکل وصورت دے کر اسے ٹھیک ٹھاک کرنے کا مرحلہ ہے۔ لہذا "ثم انشاناہ خلقا اخر " سے مراد روح کے پھونکنے سے پہلے انسانی خلقت کے تمام مراحل طے کر کے چھٹے مرحلے کی تکمیل ہے جسے اس نے " صورکم فاحسن صورکم " کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ اور " ثم سواہ " کے ذریعہ بیان کیا جیسا کہ آدم علیہ السلام کی خلقت کے بارے میں بیان فرمایا تھا "فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین " یعنی جب میں اسے (آدم) کو درست کرلوں اور اسے ایک بشر اور انسانی صورت میں لانے کے بعد اس میں اپنی خلق کی ہوئی روح پھونک لوں تو تم سب کے سب سجدے میں گر پڑنا۔

پس اس نظریے کے علماء فلاسفہ کا نظریہ اول تو اس بناء پر غلط ہوگیا کیونکہ انہوں نے چھٹے مرحلے کی تکمیل کو روح کا پیدا ہونا سمجھ لیا دوسرے جسمانی طور پر مختلف مراحل طے کر کے خلق ہونے والی مخلوق اس جسم کے ساتھ ہی فنا ہوگی۔ اس کی بقا کا نظریہ درست نہیں ہوسکتا جیسا کہ مادیین کا نظریہ ہے۔ لہذا اس کی بقاء صرف اسی صورت میں ہوگی جب کہ وہ علیحدہ طور پر مستقل وجود کی حیثیت سے "روحانیۃ الحدوث" ہو یعنی وہ علیحدہ طور پر ایک مستقل وجود کی حیثیت سے ایک روح خلق کی گئی ہو اور وہ جسم انسانی کی تکمیل کے بعد اس میں پھونکی گئی ہو۔ بس ہی روح "روحانیۃ البقا" ہوسکتی ہے۔ چاہے دو ہزار سال پہلے خلق کی گئی ہو یا چار ہزار سال پہلے خلق کی گئی ہو یا کئی ہزار سال پہلے خلق کی گئی ہو یا جسم انسانی کی تکمیل کے بعد اسی وقت حکم سے خدا سے خلق ہونے کے بعد پھونکی گئی ہو ہر صورت میں یہ علیحدہ خلق شدہ مستقل نورانی مخلوق ہے اور اس بناء پر انسان کی خلقت کے چھٹے مرحلہ کو روح کی خلقت کا مرحلہ سمجھنا غلط ہے۔

اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے برخلاف شیخ مفید علیہ الرحمہ کا یہ سمجھنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ ایسی روایات میں روح سے مراد ملائکہ ہیں جنہیں خالق کائنات نے بشر کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل خلق فرمایا ہے۔ جن کی دنیاوی تخلیق سے پہلے باہم آشنائی ہوگئی وہ تخلیق انسانی کے بعد اس سے جاملے اور جن کی آشنائی نہیں ہوئی وہ ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔

(کتاب معاد صفحہ 236)

کیونکہ اول تو روایت کے الفاظ ''قبل الاجساد'' یعنی جسموں کی تخلیق سے پہلے کا اقتضا یہ ہے کہ اس سے مراد انسانی ارواح ہوں۔

دوسرے روایت کے الفاظ ''**فما تعارف منها ائتلف و ما تناکر منا اختلف**'' کے معنی یہ ہیں کہ دو ہزار سال پہلے جب انہیں خلق کیا گیا تھا تو ان ارواح میں اکٹھے رہتے ہوئے جن میں آپس میں شناسائی ہوگئی تھی ان میں دنیا میں بھی الفت رہی اور جن میں اس وقت آشنائی نہیں ہوئی وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے جدا رہے۔

اگر ارواح سے مراد ملائکہ ہوں تو بشر کی خلقت سے پہلے ان کی بشر کے ساتھ آشنائی کیسے ہوسکتی ہے؟ لہذا جو کچھ انہوں نے سمجھا ''**فما تعارف منها قبل خلق البشر ائتلف**'' بشر کے خلق ہونے سے پہلے ملائکہ کی کسی سے آشنائی ہوئی غلط ہے اور جو کچھ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا وہ صحیح اور قرین عقل ہے۔

کیونکہ ارواح کے بارے میں ایک صحیح حدیث یہ ہے جسے شیخ ابو جعفر طوسی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیہ'' **جند هنا مالک مهذوم من الاحزاب** '' میں واقع لفظ'' **جند** '' کے لفظ کے معنی کی تشریح میں بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر تبیان میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''**الارواح جنود مجندة فما تعارف منا استلف وتناکر**

منها اختلف" (تفسیر تبیان جلد 8 صفحہ 547)

"یعنی روح جھنڈ کے جھنڈ اور جتھوں کی شکل میں رہتی ہیں پس جن کی اس وقت میں ایک دوسرے سے آشنائی ہوگئی ان میں دنیا میں بھی آکر الفت پیدا ہو جاتی ہے اور جو روحیں اس وقت علیحدہ علیحدہ رہتی ہیں وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے علیحدہ اور جدا رہتی ہیں پس یہ روایت 'خلق الله الارواح قبل الاجساد بالفي عام' کی تائید کرتی ہے۔

بہر حال جو عالم ذر میں یا عالم ارواح میں اجساد سے کئی ہزار سال پہلے ارواح کی خلقت کے قائل ہیں وہ بھی بہت بزرگ شیعہ علماء و محدثین ہیں چنانچہ حجتہ الاسلام آیت اللہ آقائے السید محمد حسین المرعشی الشہرستانی اپنی کتاب تریاق فاروق میں عالم ذر یا عالم ارواح میں ارواح کی خلقت کے قائلین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بسیاری از متشرعه نیز قائل بآں بستند مانند علامه مجلسی اعلیٰ مقامه و شیخ طوسی و شیخ کلینی و شیخ صدوق و غیر هم نظر باخبار و بیساریکه ممکن است تواتر آنها ۔ و عجب است انکار شیخ مفید و سید مرتضیٰ این امر را بااینکه دلیل معتبری از عقل ونقل بر خلاف آں نیست و از قدرت خدا بعید نیست" (تریاق فاروق صفحہ 27)

بہت سی احادیث اور روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت سے متشرع یعنی علمائے شیعہ اثنا عشریہ بھی اس بات (یعنی عالم ذر میں ارواح کی خلقت یا جسموں سے دو ہزار سال پہلے ارواح کی خلقت) کے قائل ہیں جیسے علامہ مجلسی اعلیٰ اللہ مقامہ و شیخ طوسی و شیخ کلینی و شیخ صدوق وغیرھم اور شیخ مفید اور سید مرتضیٰ کے اس بات سے انکار پر تعجب ہے حالانکہ کوئی معتبر عقلی و حدیثی دلیل اس کے برخلاف نہیں ہے اور یہ بات خدا کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔

بنی آدم کے عہد و میثاق

خداوند تعالی نے قرآن کریم میں بنی آدم سے کئی عہد و میثاق لینے کا ذکر کیا ہے۔

ایک عہد اپنی ربوبیت کا ہے جس میں اس نے تمام بنی آدم سے یہ پوچھا کہ "الست بربکم " "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب بنی آدم نے یک زبان ہو کر کہا "بلی" "ہاں تو ہی ہمارا رب ہے۔(الاعراف:172)

اس آیت کی تفسیر میں استاد آیت اللہ جعفر سبحانی نے اپنی کتاب تفسیر موضوعی میں دونوں نظریات رکھنے والے مفسرین کی آرا نقل کی ہیں ان کی بھی جو عالم ذر میں ارواح سے یہ عہد لینے کے قائل ہیں اور ان کی بھی جو عالم ذر کے قائل نہیں ہے اور دونوں نظریات کے ایراد کرنے کے بعد جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ:

آیت کا ظاہر یہ کہتا ہے کہ واقعہ گذشتہ زمانہ میں انجام پایا اور اس کا گواہ "و اذا اخذ ربک " ہے اور لفظ "اذ" ماضی کے لئے آتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں پیغمبر سے یا تمام لوگوں سے قرآن کا یہ خطاب نزول قرآن کے وقت میں ہے جبکہ عہد کا ظرف اور پیمان لینے کا وقت گذشتہ زمانہ تھا جہاں پر وہ کہتا ہے" اس وقت کو یاد کرو جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشت سے اس کی نسل کو نکالا"

(تفسیر موضوعی جلد دوم صفحہ 69)

اور آقائے سبحانی اس آیت کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں،

"مولف پر اس وقت تک جب کہ قلم کاغذ پر جاری ہے آیت کے معنی منکشف نہیں ہوئے اور امید ہے کہ ابن عباس کے قول "القران یفسرہ الزمان " کے مطابق آئندہ آنے والے اس کا صحیح مطلب جان جائیں گے۔

آیت کا ظاہر یہ ہے کہ وجود انسانی کے مراحل میں سے کسی مرحلہ میں جو ہمارے لئے ابھی منکشف نہیں ہوا انسان سے ایک عہد و پیمان لیا گیا ہے۔لیکن یہ مرحلہ کب آیا اور کس زمانہ میں انجام پایا ابھی تک معلوم نہیں ہے۔ (تفسیر موضوعی جلد دوم صفحہ 76-77)

عالم ارواح کے اس عہد کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں ہم نمونہ کے طور پر صرف دو احادیث کا ترجمہ اصول کافی سے ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

"زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سے اس آیت کا مطلب پوچھا۔خالص اللہ کے لئے اس کی ذات میں کسی کو شریک کئے بغیر کہا" حنفیۃ" وہ فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور خدا کی پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔جب تمام بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے نفسوں پر ان کو گواہ قرار دے کر کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔انہوں نے کہا ہاں۔حضرت نے فرمایا خدا نے روز قیامت تک آدم کی جس قدر اولاد ہونے والی تھی اس کی پشتوں سے نکالا۔وہ اس طرح نکلے جیسے چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں خدا نے ان کو اپنی معرفت کرائی اور اپنے آثار قدرت کو انہیں دکھا اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا کی معرفت انسان کو حاصل نہ ہوتی۔رسول اللہ نے فرمایا ہر بچہ فطرت یعنی معرفت پر پیدا ہوتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ خدائے عزوجل اس کا خالق ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے اے رسول! اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا کون ہے تو وہ کہیں گے اللہ۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد اول حدیث نمبر 3 صفحہ 34)

اصول کافی میں ہی ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

"فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت رسول خدا سے کہا کہ کس وجہ سے آپ انبیاء پر سبقت حاصل کی حالانکہ آپ سب سے آخری نبی

ہیں ۔فرمایا میں سب سے پہلے اپنے رب پر ایمان لایا اور جب نبیوں سے خدا نے میثاق لیا اور ان کے نفسوں پر ان کو گواہ بنایا اور کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں پس سب سے پہلے "بلیٰ" یعنی ہاں کہنے والا میں تھا میں نے سب انبیاء پر اقرار باللہ میں سبقت حاصل کی۔

(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد اول صفحہ 21)

اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے اعتقادیہ میں یوں لکھا ہے کہ:

" ان اللہ عزوجل اعطی ما عطی کل نبی علی قدر معرفتہ و معرفتہ نبینا و سبقہ الی الاقرار " (الاعتقادیہ شیخ صدوق صفحہ 97)

یعنی اللہ عزوجل نے ہر ایک نبی کو جو بھی مرتبہ عطا کیا وہ اپنی معرفت اور ہمارے نبی کی معرفت اور عالم ارواح میں سبقت کے مطابق عطا کیا۔

بہر حال خداوند عالم نے قرآن میں بنی آدم سے کئی عہد لینے کا ذکر ہے ایک عہد تو یہی تمام ارواح سے اپنی ربوبیت کا ہے دوسرا عہد تمام ارواح انبیاء سے اپنا دین اپنی امتوں تک پہنچانے کا ہے۔ (الاحزاب:8)

تیسرا عہد تمام امتوں کی ارواح سے اپنے اپنے نبی پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے کا ہے اور سب سے آخری میں آخری رسول پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا عہد لینے کا بیان ہے۔ (آل عمران:81)

اور اسی طرح کی اور بہت سی احادیث ہیں جن میں عالم ارواح میں بنی آدم کی ارواح سے عہد و پیان لینے کا ذکر ہے۔لیکن عالم ارواح میں ارواح بنی آدم سے عہد و پیان لینے کا انکار کرنے والے ان آیات کی طرف سے تاویل کرتے ہیں کہ خداوند تعالی نے انسان کو عقل و شعور عطا کیا ہے تاکہ وہ عجائبات عالم میں غور کر کے اپنے رب کی معرفت حاصل کرے اسی کو خدا نے عہد و پیان لینا کہا ہے۔

ارواح کی خلقت کے بیان کا خلاصہ

ارواح کی خلقت کے بارے میں اب تک کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی دو حیثیتیں ہیں ایک جسم اور دوسرے روح۔ مادئین کے نزدیک جب مادہ کے اجزاء مخصوص زمانی و مکانی رابطہ پیدا کر لیتے ہیں تو وہ ذی روح بن جاتے ہیں اور جب مادہ کے اجزاء میں یہ مخصوص زمانی و مکانی رابطہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ مادہ بے روح ہو جاتا ہے۔

مکتب انبیاء کی پیروی کرنے والوں کے نزدیک روح خدا کی ایک نورانی مخلوق ہے جو ایک مستقل وجود رکھتی ہے جسے خداوند تعالی جسم کی تکمیل کے بعد اس میں داخل فرماتا ہے۔ یہ ایک عرصہ تک جسم کے ساتھ دنیا میں رہتی ہے اور جب مقررہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو خداوند تعالی اسے واپس بلا لیتا ہے۔ اور وہ عالم برزخ میں یا تو نعمتوں سے لذت اندوز ہوتی ہے یا عذاب میں گرفتار ہوتی ہے یعنی یہ جسم ہوتا ہے جو مرتا ہے اور اپنے مرکز یعنی مٹی سے ملحق ہو جاتا ہے لیکن روح زندہ اور باقی رہتی ہے اور قیامت کے دن خداوند تعالی پھر ان روحوں کو ان کے جسموں میں واپس لوٹائے گا اور اپنے اعمال کا حساب دینے اور سوال و جواب کے بعد یا ہمیشہ جنت میں رہے گی یا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گی۔

لیکن روح کی خلقت کے بارے میں مکتب انبیاء کی پیروی کرنے والوں میں بھی اس کی خلقت کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک انسانی جسم کی تکمیل کے بعد خداوند تعالی اسی وقت خلق کر کے اس میں روح کو پھونکتا ہے اور بعض کے نزدیک اجسام انسانی کی خلقت سے کئی ہزار سال پہلے خداوند تعالی نے عالم ارواح میں ارواح کو خلق کر کے ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار اور انبیاء کی نبوت اور پیغمبر آخر پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کا عہد لیا تھا۔

دونوں کے قسم کے نظریات رکھنے والے اصحاب میں بزرگ شیعہ علماء موجود ہیں ۔جو کئی ہزار سال پہلے عالم ارواح میں میں ارواح کی خلقت کے قائل ہیں ان میں شیخ محمد بن یعقوب کلینی، شیخ صدوق علیہ الرحمہ، شیخ ابو جعفر طوسی اور علامہ مجلسی کا نام لیا جاتا ہے ۔یہ سب بزرگ شیعہ علمائے محدثین شیعہ ہیں اور حدیث کی کتابوں میں "اصول کافی"، "من لا یحضرہ الفقیہ"، "تہذیب"، استبصار اور بحار الانوار کے جمع کرنے والے ہیں۔

اور وہ علما جو جسم کی تکمیل کے بعد روح کی خلقت کے قائل ہیں ان میں بھی بزرگ شیعہ علماء موجود ہیں جن میں شیخ مفید علیہ الرحمہ، سید مرتضی علی الھدیٰ، علامہ حلی اور فخر المحققین کا نام خاص طور پر آیا ہے ۔اگر چہ یہ طبقہ ان بزرگ شیعہ علماء کے شاگردوں میں سے تھے جو عالم ارواح میں ارواح کے کئی ہزار سال پہلے خلقت کا قائل ہے لیکن یہ بزرگ شیعہ علماء بھی مذہب تشیع میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

بہر حال چاہے خدا نے جسم انسانی کی تکمیل کے بعد روح کو خلق کر کے اس کے جسم میں پھونکا ہو یا کئی ہزار سال پہلے عالم ارواح میں خلق کر کے رکھا ہو اور جسم انسانی کی تکمیل کے بعد اسے جسم انسانی میں داخل کیا ہو ہر صورت میں روح ایک علیحدہ اور مستقل نورانی وجود ہے جو عالم بالا سے آتی ہے اور ادھر ہی لوٹ جاتی ہے جو جسم میں موجود ہو تو انسان زندہ رہتا ہے اور جسم سے نکل جائے تو انسان مردہ ہوتا ہے۔

لیکن اگر ان بزرگ شیعہ علماء کا یہ عقیدہ ماد ئین اور مشہور شیعہ فلسفی صدر المتالھین ملا صدرا اور رمانی کے نظریہ کے مطابق ہو کہ: روح انسانی خلقت کے پچھلے مرحلے میں زمانی اور مکانی رابطہ پیدا سے انسان کی جسمانی تکمیل کے بعد خود بخود پیدا ہو جاتی ہے تو یہ غلط ہے ایسی روح کے باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی ۔کیونکہ وہ جس طرح سے پیدا ہوئی ہے اسی طرح سے اس کے فنا ہونے کو ماننا پڑے گا اور چونکہ کتب انبیاء کی پیروی کرنے والے

روح کے باقی رہنے کے قائل ہیں لہذا یہ نظریہ کہ روح زمانی و مکانی رابطہ سے جسم کی تکمیل کے بعد خود بخود پیدا ہو جاتی ہے بالکل غلط اور باطل ہے۔ ایسی روح جو جسم کے مادہ کے زمانی و مکانی رابطہ سے خود بخود پیدا ہوئی ہے وہ مادہ کے زمانی و مکانی رابطہ کے ختم ہو جانے کے بعد ساتھ ہی فنا ہو جائے گی۔

دوسری بات جو بخوبی سمجھ میں آتی ہے اور واضح طور پر ثبوت ہے وہ یہ کہ بیشک اگر چہ روح ایک نورانی مخلوق ہے اور ایک نور ہے لیکن یہ فلسفیوں والا نور نہیں ہے جو مادہ کے طور پر کام آیا ہے اور شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کے مطابق خدا کے اندر سے اس طرح سے نکلا ہو جیسا کہ سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اور وہ محمد و آل محمد کا نور بنا اور اسی نور سے انبیاء بنے ہوں اور انبیاء کی شعاعوں سے انسان بنے وعلیٰ ھذا القیاس تمام انواع واقسام وطبقات وجود میں آئے ہوں۔

تخلیق کائنات کے قرآنی فلسفہ کا خلاصہ

قرآن کی رو سے مخلوق کے طبقات کی خلقت کا حال اس طرح ہے کہ جب کائنات میں کوئی چیز نہ تھی نہ زمین تھی نہ آسمان تھا۔ نہ چاند تھا نہ سورج تھا نہ ستارے تھے نہ سیارے تھے اس وقت اس کے علم ازلی میں یہ تھا کہ وہ اپنی مشیت سے ایک ایسی شاہکار مخلوق کو پیدا کرے گا جو عقل و شعور کے ساتھ خواہشات کی مالک ہوگی۔ جو بے انتہا صلاحیتوں اور استعدادوں کی مالک ہوگی جو حریت و آزادی کی مالک ہوگی جو ارادہ واختیار کی مالک ہوگی اور جسے خلق کرنے کے بعد وہ فخر کے ساتھ کہہ سکے گا "فتبارک اللہ احسن الخالقین" برکتوں والا ہے اللہ جو بہترین خلق کرنے والا ہے۔

لہذا اس نے سب سے پہلے اپنی اس پیاری مخلوق، اپنی محبوب مخلوق اور جس کو خلق

کرنے کے بعد وہ فخر کرے گا اس مخلوق کے راحت و آرام کے لئے اس کے رہنے سہنے کے لئے اس کے ٹھہرنے اور قیام کرنے کے لئے اس کی رہائش اور سکونت اختیار کرنے کے لئے اور اس کی تمام مادی ضروریات پوری کرنے کے لئے زمین کا فرش بچھایا اور آسمان کی چھت بنائی اور سورج اور چاند اور ستاروں اور سیاروں کو اس کی خدمت پر مامور کیا تا کہ وہ اس کے فائدے کے کاموں میں لگے رہیں۔

اور سب صاحبان علم کو معلوم ہے کہ زمین و آسمان، سورج اور چاند، ستارے اور سیارے سب کے سب جمادات سے تعلق رکھتے ہیں لہذا سب سے پہلے خدا نے انسانوں کو بسانے اور ان کو راحت و آرام پہنچانے اور ان کی ضروریات کو پوری کرنے اور ان کی فائدہ رسانی کرنے کے لئے جمادات کو خلق فرمایا۔

پھر اس کو رزق پہنچانے، اس کی خوراک، اس کی غذا اور اس کی پرورش کے سامان ،سبزیاں اور غلے، پھل اور میوے اور اس کے کام آنے والے دوسرے جانداروں کے لئے گھاس اور چارے پیدا کئے اور یہ سب چیزیں نباتات کہلاتی ہیں۔

پھر اس کے کھانے کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اور اس کی سواری میں کام آنے کے لئے زمین کے سارے چرندے پرندے، درندے، مویشی، چوپائے وغیرہ پیدا کئے جن میں سے کچھ تو انسانوں کی غذاؤں میں کام آنے والے ہیں اور کچھ اس کی سواری کے طور پر کام آتے ہیں اور کچھ دوسرے فائدے پہنچانے والے ہیں یہ سب جانور اور مویشی ،پرندے اور چرندے حیوانات کہلاتے ہیں۔

زمین کو خلق کرنے اور اس پر سبزہ اگانے اور حیوانات کو خلق کرنے کے بعد ایک اور صاحب عقل و شعور، خواہشات رکھنے والی اور ارادہ و اختیار کی مالک مخلوق کو زمین کی آبادی کے لئے پیدا کیا زمین میں پیدا ہونے والی اس آگ سے جو دخان کی صورت میں

پیدا ہوئی تھی اس مخلوق کو پیدا کیا جو جن کہلاتے ہیں۔

غرض انسانوں کی ساری ضروریات پیدا کرنے کے بعد اور زمین کو آباد کرنے کے بعد خداوند تعالی آسمانوں کی خلقت کی طرف متوجہ ہوا جیسا کہ فرماتا ہے۔

"ھوالذی خلق لکم مافی لارض جمیعاً ثم استویٰ الی السماء فسواھن سبع سموت وھو بکل شیء علیم (البقرہ۔29) وہ اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کی کل چیزیں تمہارے لئے پیدا کی پھر آسمانوں کی جانب توجہ فرمائی تو انہیں سات آسمان بنا کر پیدا کر دیئے اور وہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔

اور حضرت علی علیہ السلام کے اس خطبہ کے مطابق جس کا نہج البلاغہ سے سابق میں حوالہ گذر چکا ہے۔آسمانوں کی خلقت کے بعد خداوند تعالی نے فرشتوں کو پیدا کر کے اپنے آسمانوں میں بسایا۔جن سے کوئی قیام میں ہے،کوئی قعود میں ہے۔کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدہ میں ہے۔خدا کی مخلوق کے یہ پانچوں طبقات اور پانچوں انواع اسی ترتیب سے پیدا ہوئے۔یعنی چونکہ خداوند تعالی نے زمین کو پہلے خلق فرمایا تھا جو جمادات سے ہے لہذا اس کو نباتات وحیوانات اور جنوں سے بھی پہلے خلق فرمایا اور جب آسمان کو خلق فرما چکا اور فرشتوں کے رہنے سہنے ٹھہرنے اور بسنے کا انتظام ہو گیا تو اس کے بعد ہوا سے فرشتوں کو خلق فرما کر انہیں آسمانوں میں بسایا۔

مطلب یہ ہوا کہ جب تک زمین یعنی جمادات کو خلق نہ کر لیا اس پر سبزہ اور نباتات کے اگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اور جب تک سبزہ اور نباتات خلق نہ کر لئے حیوانات کا خلق کرنا درست نہ تھا کیونکہ اگر سبزہ نہ ہوتا تو حیوان کہاں سے کھاتے اور جب تک زمین اور اس کا سبزہ اور حیوانات خلق نہ ہوئے جنوں کو زمین کی آبادی کے لئے خلق نہ کیا وہ زمین پر رہتے ہوئے کیا کھاتے اور کیسے زندگی بسر کرتے اور جب تک آسمانوں کو خلق نہ

کیا اس وقت تک فرشتوں کو بھی خلق نہ کیا اور آسمانوں کو ان کا مسکن اور رہائش گاہ بنا دیا اور ان کو عقل وشعور اور ارادہ واختیار کا مالک تو بنایا لیکن خواہشات عطا نہ کیں لہذا نہ وہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں نہ انہیں شادی بیاہ کی ضرورت ہے وہ اپنے ارادہ و اختیار سے خدا کا ہر حکم بجالاتے ہیں لیکن وہ کوئی ایسا ارادہ نہیں رکھتے جو خواہشات کی پیداوار ہو۔

اور جب فرشتے ساری جمادات ونباتات وحیوانات اور جنوں کے بعد خلق کئے گئے تو جمادات ونباتات وحیوانات اور جنوں کی خلقت میں فرشتوں کا کسی قسم کا کوئی تعلق یا عمل دخل ناممکن ہے لہذا اس قسم کا نظریہ قطعی غلط ہے اور باطل ہے۔

جب خداوند تعالیٰ انسانوں کے کام آنے والی اور اس کے فائدے کے لئے کام کرنے والی اور اس کی ضرورت کو پوری کرنے والی ساری مخلوقات کو خلق کر چکا یعنی ساری جمادات ونباتات وحیوانات اور جنوں اور فرشتوں کو خلق فرما چکا تو پھر وہ اپنی اس عظیم شاہکار مخلوق کی طرف متوجہ ہوا جس کا تعلق آسمانوں سے بھی ہے اور زمین سے بھی ہے اور اپنی مخلوقات کے پانچوں طبقات کی خلقت کے بعد ایک وقت خاص میں جس کا تعین نہیں کیا جا سکتا جب بھی اس کی مشیت کو منظور ہوا اپنے آسمانوں میں ایک عالم ارواح کا مقام مقرر کر کے اس میں انسانی روحوں کو خلق کر کے ساکن فرمایا (یہ بات قرآنی آیات اور معصومین علیہم السلام کی روایات اور بزرگ شیعہ علماء مثل محمد بن یعقوب کلینیؒ، شیخ صدوقؒ اور شیخ ابو جعفر طوسیؒ، اور علامہ محمد باقر مجلسیؒ کے قول کے مطابق ہے)۔

یہ بات بھی حتمی طور پر تحقیق سے نہیں کہی جا سکتی کہ خداوند تعالیٰ نے ان روحوں کو لاشے سے ایک ساتھ خلق فرمایا یا یکے بعد دیگرے بتدریج خلق کیا اور ان کے خلق کرنے میں کتنا عرصہ لگا لیکن عالم ارواح میں انسانی روحوں کے خلق کرنے کے بارے میں متعدد

آیات و روایات ایسی آئی ہیں جن کے تواتر کا دعویٰ کیا جاتا ہے ۔ یہ آیات و روایات یہ کہتی ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے عالم ارواح میں ان تمام روحوں سے سب سے پہلے اپنی ربوبیت کا اقرار اور عہدوپیمان لیا اور ان روحوں میں سے سب سے پہلے جس روح نے "بلی" یعنی ہاں کہا وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح تھی اور اس کے بعد دوسری ارواح نے خداوند تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا اور ان روحوں کو خدا کی ربوبیت کے اقرار میں سبقت کے لحاظ سے خداوند تعالیٰ نے رتبہ اور مرتبہ عطا کیا۔

اپنی ربوبیت کا اقرار لینے کے بعد ان ارواح سے جنہوں نے اقرار ربوبیت میں دوسری روحوں پر سبقت کی تھی نبی بنا کر ان کی امتوں تک خدا کا دین پہنچانے کا اقرار لینے کے بعد تمام انبیاء کی امتوں کی روحوں سے یہ عہد لیا کہ وہ ان انبیاء پر جو ان کے پاس کتاب لے کر آئیں گے ایمان لائیں اور ان کی اطاعت کریں اور پھر سب سے آخری رسول کے بارے میں یہ عہد لیا کہ تمہارے پاس سب سے آخر میں ایک رسول آئے گا جو ان تمام کتابوں کی تصدیق کرے گا جو تمہارے پاس پہلے انبیاء لے کر آئے تھے لہذا تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت بھی کرنا جیسا کہ آیہ:

"واذا اخذالله ميثاق النبين لماآتينكم من كتاب و حكمة ثم جاء كم رسول مصدقالما معكم لتومننبه ولتنصرنه" (آل عمران:81)

"یعنی جب اللہ نے نبیوں کا میثاق لیا کہ میں تمہیں ان انبیاء کے ذریعہ کتاب و حکمت عطا کروں گا ۔ پھر سب سے آخر میں ایک رسول آئیگا جو ان تمام کتابوں کی تصدیق کرے گا جو سابقہ نبی تمہارے پاس لے کر آئے تھے تو ضرور ضرور اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی نصرت بھی کرنا کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

"روی عن ابی عبدالله (ع) انه قال تقديره و اذا خذالله ميثاق

امم النبین بتصدیق کل امة نبیھا والعمل بما جاء ھم بہ"

(تفسیر التبیان جلد 2 صفحہ 514)

یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ نے انبیاء کی امتوں سے یہ عہد لیا کہ ہر امت اپنے نبی کی تصدیق کرے اور جو احکام وہ لے کر آیا ہے اس پر عمل کرے۔

بہر حال خداوند تعالیٰ جب سب ارواح انسانی کو خلق فرما چکا اور ان سے اپنی ربوبیت اور ان میں سے جن کو اس نے نبوت و رسالت عطا کی تھی ان پر ایمان لانے کا اقرار لے چکا تو جب اس کی مشیت کا تقاضا ہوا اس نے فرشتوں کے سامنے جو زمین پر جنوں کی ہدایت اور انہیں سزا دینے کے لئے بھیجے گئے تھے اور وہ زمین پر سکونت پذیر تھے یہ اعلان کیا کہ اب میں تمہیں واپس بلا رہا ہوں اور تمہاری جگہ ایک دوسری مخلوق کو تمہارا جانشین بنا رہا ہوں لہذا اس نے زمین پر رہنے والے فرشتوں کے سامنے اعلان فرمایا:

"واذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفة ، قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء"

(البقرہ:30)

یعنی اس وقت کو یاد کرو جب کہ تیرے رب نے ملائکہ سے یہ کہا کہ میں زمین میں خلیفہ (یعنی تمہارا جانشین) بنا رہا ہوں تو انہوں نے کہا کیا تو انہیں میں سے کسی کو ہمارا جانشین بنا دے گا جو زمین میں فساد کرتے رہے اور خونریزی کرتے رہے۔

ان ملائکہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان سے کون سے ملائکہ مراد ہیں۔ تفسیر التبیان میں ہے کہ:

"والملائکة المذکوران فی الآیة : قال قوم ھم جمع الملائکة و قال آخرون . وھو المروی عن ابن عباس والضحاک انہ خطاب لمن

اسکنہ من الملائکۃ الارض بعدا لجان و قبل آدم و ھم الذین اجلو الجان عن الارض ‘‘ (التبیان جلد 1 صفحہ 133)

یعنی آیت میں جن ملائکہ کا ذکر ہے ان کے بارے میں کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد تمام ملائکہ ہیں لیکن دوسروں نے یہ کہا ہے اور ابن عباس اور ضحاک سے روایت ہے کہ بیشک یہاں ان فرشتوں سے خطاب ہے جنہیں اس نے جنوں کے بعد اور آدم سے پہلے زمین میں بسایا تھا اور یہ وہی فرشتے تھے جنہوں نے جنوں کو زمین سے نکال باہر کیا تھا۔

اور تفسیر بتیان میں اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھا ہے کہ:

’’قال قوم سمی اللہ تعالیٰ آدم خلیفۃ لا نہ جعل آدم و ذریتہ خلفاء الملائکۃ ، لان الملائکۃ کانوا سکان الارض ، و قال ابن عباس انہ کان فی الارض الجن فافسدوا فیھا و سفکو الدماء فاھلکوا جعل اللہ آدم و ذریتہ بدلہ‘‘ (تفسیر البتیان جلد 1 صفحہ 131)

یعنی کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آدم (ع) کو خلیفہ اس لئے کہا ہے کیونکہ خدا نے آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کو ان ملائکہ کا جانشین بنایا تھا کیونکہ یہ فرشتے زمین پر آباد تھے اور ابن عباس نے یہ کہا ہے کہ یقینی طور پر زمین کے اوپر پہلے جن آباد تھے تو انہوں نے زمین میں فساد پھیلایا اور خونریزی کی پس ان فرشتوں نے ان کو ہلاک کردیا اور اللہ تعالیٰ نے آدم اور ان کی ذریت کو ان کے بدلے زمین میں آباد کردیا اور ’’اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یفسک الدماء ‘‘ کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے:

و قولہ :اتجعل فیھا من یفسدفیھا و یفسک الدماء ‘‘ و روی ان خلقاً یقال لھم الجان کانوا فی الارض فافسدوا وسفکو الدماء فبعث اللہ تعالیٰ ملائکۃ اجلتھم من الارض ۔ و قیل ان ھو لاء الملائکۃ کانوا سکان

الارض بعد الجان . فقالوا یا ربنا اتجعل فی الارض من یفسد فیھا و یفسک الدماء علی وجہ الا استخبار منھم و الاستعلام عن وجہ المصلحۃ والحکمۃ لا عن وجہ الانکار کانھم قالوا، ان کان ھذا کما ظننا فعرفنا وجہ الحکمیۃ فیہ" (تفسیر التبیان جلد 1 صفحہ 132)

یعنی اس کا یہ قول (کہ فرشتوں نے یہ کہا کہ: کیا تو انہیں ہی زمین پر ہمارا جانشین بنائے گا جو فساد کرتے ہیں اور خونریزی کرتے ہیں؟) روایت میں آیا ہے کہ: یقینی طور پر ایک مخلوق تھی جس کو جن کہا جاتا ہے وہ زمین پر آباد تھی ۔ پس انہوں نے فساد کیا اور خونریزیاں کیں پس خداوند تعالیٰ نے ان پر ملائکہ کو مبعوث کیا۔ ان ملائکہ نے ان جنوں کو زمین سے نکال باہر کیا اور یہ کہا گیا کہ یہ ملائکہ جنوں کی زمین سے باہر نکال دینے کے بعد زمین پر آباد ہو گئے تھے (یہ اعلان سن کر) انہوں نے پروردگار! کیا تو پھر انہیں کو زمین میں آباد کردے گا کہ وہ پھر اس میں فساد و خونریزی کریں؟ یہ بات انہوں نے اس کی مصلحت اور حکمت دریافت کرنے اور معلوم کرنے کے لئے کہی تھی یہ بات انہوں نے انکار کے طور پر نہیں کہی تھی۔ گویا انہوں نے یہ کہا تھا کہ اگر یہ بات اسی طرح ہے جیسا کہ ہم نے گمان کیا ہے تو ہمیں اس کی مصلحت اور حکمت سے آگاہ کردے۔

یہ واقعہ کب پیش آیا اعلان خلافت اور فرشتوں کے جواب سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ابھی آدم کا جسد خاکی تیار نہیں ہوا تھا اور فرشتوں نے ابھی تک آدم کو دیکھا نہیں تھا بلکہ ابھی عالم ارواح میں ہی تھے جب خدا نے فرشتوں کے سامنے ان کا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا کیونکہ خلقت آدم کے بعد فرشتے بے چون و چرا سجدے میں گر پڑے جیسا کہ خود خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"واذقلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس ابی

واستکبر و کان من الکافرین" (البقرہ:34)

"اوراس وقت کویاد کرو جب ہم نے فرشتوں کوحکم دیا کہ آدم کوسجدہ کریں تو ابلیس کے سوا سب ہی نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا اور بڑا بننا چاہا اور کافروں میں سے ہوگیا"

خداوندتعالی نے اسی بات کوسورہ الحجر میں یوں بیان فرمایا ہے۔

"و اذ قال ربک للملائکة انی خالق بشراً من صلصال من حامسنون فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین فسجد الملائکة کلهم اجمعون الا ابلیس ابیٰ ان یکون من السجدین"

(سورہ الحجر 28 تا 31)

اوراس قت کویاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر کوخمیر کی ہوئی مٹی سے جوسوکھ کر کھن کھن بولنے لگے پیدا کرنے والا ہوں تو جس وقت میں اس کو ہر طرح سے درست کر چکوں اوراس میں اپنی پیدا کی ہوئی روح پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا۔پس فرشتے تو سب کے سب سربسجود ہوگئے سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنیوالوں کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کردیا۔

ان آیات میں بشر کا لفظ آیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کرلوں اوراس میں اپنی پیدا کی ہوئی روح پھونک لوں۔

اور سورہ البقرہ کی آیت نمبر 34 میں یہ کہا "جب فرشتوں سے کہا کہ آدم کوسجدہ کرو" اس سے ثابت ہوا کہ وہ آدم کی روح تھی جسے اعلان خلافت کے وقت فرشتوں کے سامنے پیش کر کے ان ہستیوں کے نام سے باخبر کیا تھا جنہیں خدا نے زمین پراپنی حجت بنا کر بھیجنا تھا۔

بہر حال آدم علیہ السلام کوخلق کرنے کے بعد ان کی نسل کا سلسلہ زمین پر جاری

کر دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

" الذی احسن کل شیء خلقه و بدا خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهین ثم سواه و نفخ فیه من روحه"

(السجدہ 7 تا 9)

وہی تو ہے جس نے ہر چیز کو جسے بھی پیدا کیا بہت ہی اچھا پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کی ابتدا تو مٹی سے کی پھر اس کی نسل کو ایک ذلیل پانی کے خلاصے سے قرار دیا۔ پھر (نطفہ) کو ٹھیک ٹھاک کیا اور اپنی پیدا کی ہوئی روح اس میں پھونک دی اس طرح مخلوقات کے صرف چھ طبقات ہوئے نمبر 1: جمادات، نمبر 2 نباتات نمبر 3 حیوانات، نمبر 4 جن نمبر 5 فرشتے نمبر 6 انسان اور ان تمام انواع مخلوقات میں انسان سب افضل اور سب سے اشرف ہے۔ لہذا خداوند تعالیٰ نے تمام ہادیان دین اور انبیاء و رسول کو اپنی مخلوق میں اشرف المخلوقات انسانوں میں سے منتخب کر کے افضل ترین، اشرف ترین و اکمل ترین انسانوں کو انبیاء و رسل بنا کر مبعوث کیا۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ۔

" ان الله یصطفی من الملائکة رسلاً و من الناس "(الحج:75)

اللہ ملائکہ اور انسانوں میں سے ہی رسولوں کو منتخب اور برگزیدہ کرتا ہے۔

ملائکہ تو انسانوں میں کے رسول کے پاس وحی کے ذریعے پیغام دے کر بھیجتا ہے اور انسانوں کو دوسرے انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجتا ہے۔

ایک آیت میں تمام بنی آدم سے (عالم ارواح) میں اقرار لینے کے لئے کہتا ہے

" یابنی آدم اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیتی "

(آل عمران:35)

اے آدم کی اولاد! تمہارے پاس تمہیں میں سے میرے بھیجے ہوئے رسول آئیں

گے جو تمہارے پاس میرے احکام پہنچائیں گے پس تم ان کی اطاعت و پیروی کرنا۔

بنی آدم کے سامنے یہ اعلان چاہے جب کیا ہو ہر صورت میں رسول بنی آدم سے ہوئے ہیں۔

ایک اور آیت میں قرآن تمام انبیاء و رسول کو بشر کہتا ہے۔

"ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول اللناس کونوا عباداً لی من دون اللہ" (آل عمران:29)

یعنی کسی بشر کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے یا وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا کہ اللہ تو اسے کتاب و حکمت و نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں کو کہتا پھرے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

"وما ارسلنک من قلبل الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری افلم یسیروافی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم"

اے رسول! ہم نے تم سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے ایسے آدمی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے کیا یہ اس سرزمین میں نہیں چلے پھرے کہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیسا ہوا؟

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر تبیان میں اس طرح لکھا ہے:

"معنی الآیۃ الاخبار من اللہ انی ما ارسلت قبلک من الانبیاء والمرسلین الی عبادی الا رجالاً یوحی الیھم بکتبی واحکامی من اھل القریٰ۔ ای لم ارسلھم علیھم ملکا ولا جنیا، بل رجالا امثالک، کقول جھال قریش ان اللہ لو شاء ان یرسل الینا احداً۔ لا رسل الینا ملکا، فبین ھھنا انہ لم یرسل فیما مضی الا رجالا۔ مثل محمد، من البشر، افلم

یسیروا فی الارض ، معناہ افلیس قد ساروا فی الارض و سمعوا اخبار من ارسلہ من الا نبیاء المبعوثین الی خلقہ مثل ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ، فیعرفوا بذالک کیف کان عاقبۃ من کذب ھولاء الرسل من قبلھم وما نزل بھم من العذاب لکفرھم " (التبیان جلد 6 صفحہ 206)

یعنی آیت کے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ اے رسول میں تجھ سے پہلے اپنے بندوں کی طرف نبیوں اور رسولوں میں سے کسی کو نہیں بھیجا مگر وہ ان بستیوں کے رہنے والے مردوں میں سے ہی ہوا کرتے تھے جنہیں ہم نے اپنی کتابوں اور احکام کی وحی کیا کرتے تھے یعنی ہم نے ان کی طرف بھی کسی فرشتے یا کسی جن کو نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ وہ سب کے سب تیری طرح مرد ہی ہوا کرتے تھے کیونکہ جاہل قریش یہ کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے کسی کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتا۔ پس اس سے صاف طور پر واضح اور ثابت ہوگیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی زمانہ میں کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانند نوع بشر میں سے مرد ہوتا تھا۔ "الا رجالاً مثل محمد ، من البشر" اور "افلم یسیروا فی الارض" کا معنی یہ ہے کہ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا؟ انبیاء کی خبریں اور حالات نہیں سنے؟ جنہیں خدا نے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔

جیسا کہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ تھے۔ اگر وہ زمین میں چل پھر کر حالات معلوم کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جن لوگوں نے رسولوں کو بشر ہونے وجہ سے جھٹلایا تھا ان کا انجام کیا ہوا؟ اور ان کے کفر کی بناء پر ان پر کیسا عذاب نازل ہوا؟

پس قرآن کی رو سے خداوند تعالیٰ نے جتنی انواع اور طبقات خلق فرمائے ان کی

صرف چھ ہی قسمیں ہیں نمبر 1: جمادات نمبر 2: نباتات نمبر 3: حیوانات، نمبر 4 جن نمبر 5: فرشتے نمبر 6: انسان۔

ان چھ انواع کے علاوہ اور کوئی نوع نہیں ہے اور جتنی انواع واقسام خلقت ہیں وہ ان ہی چھ انواع واقسام میں سے کسی ایک میں شمار ہوتی ہیں ان ساری انواع واقسام میں انسان سب سے افضل اور سب سے اشرف ہے۔

تخلیق کائنات کے شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کا خلاصہ

فلاسفہ یونان اور ان کی پیروی کرنے والے دوسرے تمام فلاسفہ کے دو بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں۔

پہلا اصول یہ ہے کہ "الواحد لا یصدر عنه الا الواحد "یعنی ایک چیز میں سے صرف ایک چیز نکل سکتی ہے۔اس کے سوا اور کچھ نہیں اور اس ایک چیز کے نکلنے کے بعد اس ایک چیز نے ساری کائنات کو خلق کیا یہ نظریہ عقیدہ تفویض کو مستدل کرنے کے لئے بڑا ہی کارآمد تھا۔

دوسرا اصول مخلوق کے مختلف طبقات وانواع اقسام کے بارے میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ:

تمام موجودات میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ ان کے مراتب میں مبداء سے نزدیکی اور دوری کی وجہ سے واقع ہوا ہے جس طرح ایک چراغ کے نور کے مراتب میں نور سے نزدیکی اور دوری کی وجہ سے فرق ہوتا ہے۔یعنی نور میں اور حرات میں وہ حصہ زیادہ قوی ہوگا جو چراغ سے زیادہ قریب ہوگا اور نور میں اور حرارت میں وہ حصہ زیادہ ضعیف ہوگا جو چراغ سے جتنا دور واقع ہوگا اور اسی طرح اس کے درمیان کا حال ہے اس دوری اور نزدیکی

کی نسبت سے۔

یہ دونوں اصول وہ اصول ہیں جنہیں فلاسفہ یونان اور ان کی خوشہ چینی کرنے والے اور ان کی پیروی کرنے والے دوسرے تمام فلاسفہ نے اپنایا ہوا ہے اور جسے شیخ احمد احسائی نے اپنی کتاب الفوائد کے چودھویں فائدے میں بیان کیا ہے اور رئیس مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت مرزا موسیٰ اسکوئی نے اپنی کتاب احقاق الحق صفحہ نمبر 279 میں نقل کیا ہے۔

پہلے اصول کے مطابق فلاسفہ یونان نے تو یہ کہا تھا کہ وہ ایک چیز جو خدا کے اندر سے نکلی وہ عقل اول تھی اس کے بعد جو کچھ خلق ہوا وہ عقل اول نے کیا۔

جب نصاریٰ نے اس فلسفہ کو اپنے مطلب کے لئے کارآمد دیکھا تو انہوں نے اسے اپنا کر یہ کہا کہ وہ ایک چیز جو خدا کے اندر سے نکلی وہ حضرت عیسیٰ تھے اس کے بعد جو کچھ خلق ہوا وہ حضرت عیسیٰ نے کیا۔

اور چونکہ مفوضہ نے بھی اسی فلسفہ کو اپنے لئے کارآمد پایا تو انہوں اپنے عقیدہ تفویض کو مستدل کرنے کے لئے اسے اپنایا اور شیخ احمد احسائی نے یہ کہا کہ وہ ایک چیز جو خدا کے اندر سے نکلی وہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کا نور تھا اس کے بعد جو کچھ خلق ہوا وہ چہاردہ معصومین علیہم السلام نے خلق کیا۔

دوسرا اصول مخلوق کے مختلف طبقات اور انواع و اقسام کے مراتب میں فرق کا ہے۔ جو مبداء سے نزدیکی اور دوری کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک چراغ کے نور کے مراتب میں نور کی نزدیکی یا دوری کی وجہ سے فرق ہوتا ہے لہذا شیخ احمد احسائی نے اس اصول کو بھی پوری پوری طرح اپنایا ہے اور چونکہ اس نے یہ مفروضہ پیش کیا کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کا نور خدا کے اندر سے اس طرح نکلا جس طرح سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ لہذا یہ مخلوقات کا پہلا طبقہ یا پہلی نوع ہیں۔

اگر چہ اس مفروضہ کی رو سے بھی چونکہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کا نور خدا کے اندر سے نکلا تھا لہذا ساری کائنات کی علت فاعلی اور علت مادی خدا کو کہنا چاہیے تھا لیکن چونکہ شیخ احمد احسائی مفوضہ سے تعلق رکھتا تھا اور اپنے عقیدہ تفویض کو مستدل کرنا چاہتا تھا لہذا اس نے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نور کو خدا کے اندر سے نکال کر خدا کو بالکل ہی ناکارہ قرار دے دیا۔ آگے ساری کائنات کی علت فاعلی اور علت مادی چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نور کو قرار دیا۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی کہتا ہے کہ کوئی چیز مادہ کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس نے شرح زیارت میں لکھا ہے کہ:

"کیف یکون مخلوق ولا مادة له بل لا بد من مادة"

(شرح زیارت صفحہ 343 سطر 13)

یعنی کوئی بھی مخلوق وجود میں نہیں آ سکتی جب تک اس کا مادہ نہ ہو۔ اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی مخلوق ہو اور اس کا مادہ نہ ہو بلکہ ناگزیر ہے یہ بات کہ مخلوق ضرور ہی کسی مادہ سے خلق ہوئی ہو۔

جب کوئی مخلوق مادہ کے بغیر خلق نہیں ہو سکتی تو پھر سب سے پہلے مخلوق کس مادہ سے خلق ہوئی چونکہ شیخ احمد احسائی کے نزدیک محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور خدا کے اندر سے اس طرح نکلا جس طرح سورج سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں پس اس کے نزدیک چہاردہ معصومین علیہ السلام جس مادہ سے بنے اسے وہ خدا کہتا ہے ہے چنانچہ وہ شرح زیارت میں اس مطلب کو بھی بالفاظ واضح اس طرح سے لکھتا ہے۔

" فلا یکون شیء الا وله مادة وصورة وقت و مکان الا الواحد الحق تعالیٰ فانه وقته ذاته و مادة عین ذاته "(شرح زیارت صفحہ 343 سطر 13-14)

یعنی کوئی چیز موجود نہیں ہو سکتی سوائے اس صورت کے کہ اس کا مادہ بھی ہوتا ہے

اور اس کی صورت بھی ہوتی ہے اور وقت بھی ہوتا ہے اور مکان بھی ہوتا ہے سوائے خدا واحد کے کیونکہ اس کی ذات ہی وقت ہے اور اس کا مادہ ہی عین ذات ہے۔

اور مادہ عین ذات کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی اور مادہ سے نہیں بنا کہ تسلسل لازم آئے بلکہ وہ اپنی ذات سے عین مادہ ہے جیسا کہ صفات ثبوتیہ کے بیان میں کہا جاتا ہے کہ اس کا علم اس کی عین ذات ہے اس کی قدرت اس کی عین ذات ہے اسی طرح شیخ احمد احسائی کہتا ہے کہ اس کا مادہ اس کی عین ذات ہے۔

اب اس مادہ میں سے جسے وہ خدا کی عین ذات کہتا ہے اس کے فلسفہ کے مطابق چہاردہ معصومین علیہم السلام کا نور اس طرح سے نکلا جیسے سورج میں سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اب آگے محمد و آل محمد کا نور ساری کائنات کی علت فاعلی اور علت مادی کیسے بنا۔ اسے وہ ایک مثال کے ذریعہ یوں سمجھاتا ہے کہ جیسے دیوار کے اوپر سورج کی پڑنے والی شعاعیں سورج کے ظہور سے پیدا ہوتی ہیں اور اس دیوار کے مقابل جو دیوار ہوگی اس کی شعاعیں پہلی دیوار کی شعاعوں کے نور کی شعاع ہوگی۔ اور روشن و منور دیوار کے مقابل جو روشن و منور دیوار ہوگی اس کی شعاعیں اس پہلی دیوار کے نور کی شعاعیں ہوں گی اسی طرح تمام مراتب کے وجود کا حال ہے نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر مٹی تک۔

(کتاب فوائد فائدہ نمبر 14)(احقاق الحق صفحہ 281)

پس شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کے مطابق سب سے پہلے خدا کے اندر سے چہاردہ معصومین علیہم السلام کا نور اس طرح نکلا جس طرح سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں پھر چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نور کی شعاعیں جس دیوار پر پڑیں وہ انبیاء علیہم السلام کا نور بنا۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے نور کی شعاعیں جس دیوار پر پڑیں وہ انسانوں کا نور بنا پھر انسانوں کے نور کی شعاعیں جس دیوار پر پڑیں اس سے جنوں کا نور نکلا پھر جنوں کے نور کی شعاعیں جس

دیوار پر پڑیں وہ فرشتوں کا نور بنا پھر فرشتوں کے نور کی شعاعیں جس دیوار پر پڑیں وہ حیوانات کا نور بنا۔ پھر حیوانات کے نور کی شعاعیں جس دیوار پر پڑیں وہ نباتات کا نور بنا پھر نباتات کے نور کی شعاعیں جس دیوار پر پڑیں وہ جمادات بنے۔

شیخ احمد احسائی نے اپنے اس فلسفہ میں فلاسفہ یونان اور دوسرے مسلم فلاسفہ کے دونوں اصول برقرار رکھتے یعنی ایک چیز میں سے ایک چیز کے سوا اور کچھ نہ نکلنا بھی اور دوسرے مخلوقات کے مختلف طبقات کا چراغ سے نزدیکی اور دوری کے لحاظ سے وجود میں آنا بھی۔ یعنی چراغ کی جو شعاعیں چراغ سے زیادہ نزدیک ہوں گی وہ زیادہ قوی ہوں گی اور جو دور ہوں گی وہ ضعیف ہوتی چلی جائیں گی۔ پس اسی اصول کے مطابق شیخ احمد احسائی نے تمام مخلوقات کے طبقات اور انوار قرار دیئے یعنی وہ ایک چیز جو خدا کے اندر سے نکلی وہ پہلا طبقہ بنا پھر ہر دیوار پر پڑنے والی شعاع اگلا طبقہ بنا اسی طرح شیخ احمد احسائی کے نزدیک تمام مخلوقات کی خلقت کی ترتیب اوپر سے نیچے کی طرف اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہے پس اس کے نزدیک تمام مخلوقات کے آٹھ طبقات ہوئے۔

نمبر 1: چہاردہ معصومین نمبر 2: انبیاء علیہم السلام نمبر 3 انسان نمبر 4: جن
نمبر 5: فرشتے نمبر 6: حیوانات نمبر 7 نباتات نمبر 8 حیوانات

اور چونکہ یہ نور خدا کے اندر سے نکل کر مختلف دیواروں پر پڑتا ہوا اور مختلف طبقات بناتا ہوا جمادات تک پہنچا لہذا یہ ایک ہی نور ہوا جس کے مبداء سے نزدیکی اور دوری کی وجہ سے مختلف طبقات معرض وجود میں آئے لہذا یہ وحدت وجود ہے جس کے صوفیہ قائل ہیں اور اس فلسفہ کی رو سے نہ تو چہاردہ معصومین علیہم السلام انسان ہیں اور نہ ہی تمام انبیاء علیہم السلام انسان اور بشر تھے اور چونکہ آدم علیہ السلام سلسلہ انبیاء میں سے پہلے نبی تھے لہذا وہ بھی اس فلسفہ کی رو سے بشر نہیں تھے بیشک خدا کہتا ہے کہ:

”واذ قال ربک للملائکۃ انی خالق بشراً من صلصال من حماءٍ مسنون“ (الحجر:28)

اوراس وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں خمیر کی ہوئی مٹی سے جو سوکھ کر کھن کھن بولنے لگے ایک بشر بنانے والا ہوں۔

لہذا خدا نے تو سب سے پہلے نبی کو بشر کہا اور آگے ان کی ساری نسل کو یا بشر کہا ہے یا بنی آدم کہا ہے یا انسان کہا ہے لیکن اس فلسفہ نے اسلام میں اتنا نفوذ کیا ہے کہ سنیوں کے بعض فرقوں میں بھی نور اور بشر کی بحث عام دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ چیز ان میں کس نے ایجاد کی اور جاری کی یہ بھی ضرور ان کے فلاسفہ میں سے ہی کسی فلسفی کا کارنامہ ہے لیکن جہاں تک شیعوں کا تعلق ہے تو ان میں یہ نظریہ شیخ احمد احسائی نے پھیلایا ہے لہذا شیعوں میں تو اکثر ذاکرین و مجلس خوان مقررین کا بیان ہی مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ یہ بیان نہ کریں کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام اور انبیاء علیہم السلام بشر نہیں تھے وہ انسان نہیں تھے بلکہ وہ نور تھے درآنحالیکہ وہ اس فلسفہ کی جزئیات سے بے خبر رہیں کیونکہ اس فلسفہ کی رو سے تو ساری مخلوقات کی تمام انواع ہی نور ہیں اور ان سب کا مادہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کا نور ہے جو خدا کے اندر سے اس طرح نکلا جس طرح سورج کے اندر سے سورج کی شعاعیں۔

پھر اس فلسفہ کی رو سے بھی سب سے پہلا نور تو خدا کے اندر سے نکلا تھا سورج کی شعاعوں کی طرح ہی سہی۔ لہذا اصل میں تو ساری کائنات کی علت فاعلی خدا ہی کو کہنا چاہیے تھا کیونکہ پہلا نور اسی کے اندر سے نکلا اور پہلا مادہ خدا قرار پایا۔ چاہے شیخ احمد احسائی کے نزدیک اس کا مادہ عین ذات سہی۔

لیکن شیخ احمد احسائی خدا کو ساری کائنات کی علت فاعلی نہیں کہتا بلکہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کو ساری کائنات کی علت فاعلی بتاتا ہے یعنی کائنات کو چہاردہ معصومین

علیہم السلام نے خلق فرمایا۔

چونکہ وہ اس فلسفہ کے ذریعے اپنے عقیدہ تفویض کو مستدل کرنا چاہتا تھا لہذا باوجود اس کے کہ اس کے نزدیک بھی وہ نور خدا سے نکلا تھا جس سے دیوار پر شعاعیں پڑ پڑ کر مختلف طبقات بنے تھے اس نے خدا کو علت فاعلی نہیں کہا بلکہ چہاردہ معصومین علیہم کو علت فاعلی قرار دیا تا کہ وہ اپنے عقیدہ تفویض کو سیدھا کر سکے اور یہ کہہ سکے کہ ساری کائنات کے خلق یہی ہیں، رازق بھی یہی ہیں محی بھی یہی ہیں ممیت بھی ہی ہیں اور ساری کائنات کا نظام چلانے والے بھی یہی ہیں۔

افلاطون یونانی کہتا ہے کہ ہر اوپر کا طبہ نچلے طبقہ کا خالق ہے اور نچلا طبقہ اوپر کے طبقہ کی مخلوق ہے (حدیقۃ الشیعہ)

شیخ احمد احسائی کے شعاعوں والے فلسفہ میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کا نور انبیاء کے نور کا خالق ہے اور انبیاء کا نور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نور کی مخلوق ہے پھر انبیاء علیہم السلام کا نور انسان کے نور کا خالق ہے اور انسانوں کا نور انبیاء علیہم السلام کے نور کی مخلوق ہے اور پھر انسانوں کا نور جنوں کے نور کا خالق ہے اور جنوں کا نور انسانوں کے نور کی مخلوق ہے وعلی ھذا القیاس جمادات تک کا حال ہے۔

شیخ احمد احسائی کا خودساختہ فلسفہ اوپر سے نیچے کی طرف تنزل کرتا ہے اور اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف چلتا ہے چراغ سے نزدیکی اور دوری کی مثال کے مطابق پس اس کے نزدیک پہلا طبقہ یا پہلی نوع چہاردہ معصومین علیہم السلام ہوئے جو خدا میں سے سورج کی شعاعوں کی طرح نکلے، دوسرے طبقہ یا دوسری نوع مخلوقات کی انبیاء ہوئے جو اگلی دیوار پر ان شعاعوں کے پڑنے سے بنے۔ تیسرا طبقہ یا نوع انسان ہوئے جو انبیاء کے نور کی شعاعوں کے مقابل کی دیوار پر پڑنے سے بنے اسی طرح ایک سے دوسری مقابل کی دیوار پر شعاعیں پہلے نوع

کی پڑتی گئیں اور اگلی نوع منتی گئی جمادات تک۔

قرآنی فلسفہ تخلیق کائنات اور شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کا تقابل

شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کے مطابق مخلوقات کے طبقات یا انواع آٹھ ہوئے۔

نمبر1: چہاردہ معصومین نمبر2 انبیاء علیہم السلام نمبر3 انسان نمبر4: جن
نمبر5 فرشتے نمبر6 حیوانات نمبر7: نباتات نمبر8 جمادات

لہذا شیخ کے اس فلسفہ کی رو سے نہ چہاردہ معصومین علیہم السلام انسان تھے نہ انبیاء علیہم السلام انسان تھے۔

لیکن قرآن کا فلسفہ تخلیق کائنات نیچے سے اوپر کی طرف ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کی خلقت کا پہلا مرحلہ نطفہ ہے۔ دوسرا مرحلہ علقہ یعنی منجمد خون کا ہے تیسرا مرحلہ مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا ہے چوتھا مرحلہ ہڈیوں کا ہے پانچواں مرحلہ ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھانے کا ہے اور چھٹا مرحلہ آخری ترقی دادہ شکل انسانی صورت کا ہے۔ "ثم انشاناہ خلقاً اخر"

اس طرح خدا نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو چھ دنوں یا چھ مرحلوں میں پیدا کیا ہے۔ پہلا مرحلہ جمادات کی خلقت ہے دوسرا مرحلہ نباتات کی خلقت کا ہے تیسرا مرحلہ حیوانات کی خلقت کا ہے چوتھا مرحلہ جنوں کی خلقت کا ہے۔ پانچواں مرحلہ فرشتوں کی خلقت کا ہے اور یہی چھ انواع ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور چہاردہ معصومین علیہم کوئی علیحدہ طبقہ یا نوع نہیں ہیں بلکہ نبوت و رسالت و امامت خدائی مناصب ہیں جنہیں وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو منتخب کر کے عطا کرتا ہے۔

بہر حال شیخ احمد احسائی خدا کے لئے کسی اور کام کے کرنے کا قائل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ وحی جو پیغمبروں کو کیا کرتا تھا اور جبرئیل کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی بھیجا کرتا تھا اس کے بارے میں اس کا نظریہ شرح زیارت میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ:

''جبرئیل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا خیال ہے جیسے تم کوئی بات بھول جاؤ پھر اس کو یاد کرو اور یوں کہوں کہ میرے دل میں یہ بات پیدا ہوئی ہے یا مجھے یہ خیال آیا ہے۔

''فجبرئیل هو هذا لوارد اخذ من عقله و قلبه واتی به ان بالوحی''

(شرح زیارت صفحہ 346)

یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں پیدا ہونے والا خیال ہی وہ جبرئیل ہے جو انہوں نے اپنے دل اور عقل سے اخذ کیا ہے اور ان کے پاس آیا ہے یعنی وحی کے ساتھ۔ (شرح زیارت صفحہ 346)

پس اب خدا کے پاس کون سا کام رہ گیا جب وحی تک اس کی طرف سے نہیں بلکہ وہ پیغمبر کو بھولی ہوئی بات کا یاد آنا ہے یا کسی خیال کا دل میں پیدا ہونا ہے۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ صرف بالغ صاحبان عقل ہی مکلف ہیں۔ لیکن شیخ احمد احسائی کہتا ہے کہ ہر چیز مکلف ہے اور ہر چیز ایک امت ہے اور ہر امت کے پاس اسی کی جنس سے اسی کی طرح کی نوع سے نبی آئے ہیں جو ان کی زبان میں ان کو ہدایت کیا کرتے تھے۔ یعنی خدا نے پتھروں کے پاس پتھروں کو نبی بنا کر بھیجا، درختوں کے پاس درختوں کو نبی بنا کر بھیجا۔ حیوانات کے پاس اسی نوع کا حیوان نبی بھیجا اور انسانوں کے پاس انسانوں کو نبی بنا کر بھیجا۔ لیکن چونکہ محمد و آل محمد علیہم السلام عالمین کے ہادی ہیں لہذا وہ ہر نوع کی ہدایت کے

لئے اس نوع میں تنزل کرتے ہیں اور اسی کی زبان میں جا کر اسے ہدایت کرتے ہیں پس وہ جمادات کی ہدایت کے لئے جمادات کی نوع میں تنزل کرتے ہیں نباتات کی ہدایت کے لئے نباتات کی نوع میں تنزل کرتے ہیں حیوانات کی ہدایت کے لئے حیوانات کی نوع میں تنزل کرتے ہیں اور انسانوں کی ہدایت کے لئے وہ انسانوں کی نوع میں تنزل کرتے ہیں۔

(شرح زیارۃ صفحہ نمبر 60)

ہم علامہ مجلسی کا بیان سابق میں نقل کر آئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ لوگ فلسفہ کے ایسے حریص ہو گئے ہیں کہ قرآن و احادیث صحیحہ کا مطلب بھی فلاسفہ کے ماتحت کرتے ہیں اور یہ بات آج ہمارے مشاہدے میں ہے کہ ہمارے منبر پر شیخ احمد احسائی کے اسی فلسفی مذہب کو بیان کیا جا رہا ہے اور ہر جاہل ذاکر اور عوام کو خوش کرنے والے مقررین کی مجلس مکمل ہی نہیں ہوتی جب تک وہ یہ بیان نہ کرلیں کہ محمد و آل محمد علیہم السلام بشر نہیں تھے وہ انسان نہیں تھے وہ پیدا نہیں ہوتے بلکہ نازل ہوتے ہیں۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات ازلی و ابدی ہے اور وہ قدیم سے ہے لہذا اس میں جو چیز نکلی وہ بھی پہلے سے ہی اس کے ساتھ تھی۔ پس شیخ احمد احسائی کے فلسفہ کی رو سے چہاردہ معصومین علیہم السلام بھی قدیم ہوئے اور شیخ احمد احسائی انہیں بالفاظ قدیم اور ازلی و ابدی اور سرمدی کہتا ہے اور ہم نے خود بعض جاہل ذاکرین کو اور فریب خوردگان مذہب شیخیہ مقررین کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ محمد و آل محمد قدیم ہیں۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنا نمائندہ ہونے کے ثبوت میں انبیاء کے ہاتھوں پر معجزات کا ظہور کرتا ہے اور وہ خدا کا فعل ہوتا ہے شیخ احمد احسائی کے نزدیک خدا کا کوئی فعل ہے ہی نہیں ان کے ہاتھوں سے جتنے خرق عادات یا معجزات کا ظہور ہوا وہ ان کے عادی افعال تھے جیسا کہ ہمارا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، کیونکہ ان کی نوع جداگانہ ہے لہذا وہ

ان کے نوعی فعل ہوتے تھے۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ خدا تعالٰی لامکان ہے۔یعنی وہ کسی خاص جگہ میں محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر جگہ حاضر ہے لہذا جب اس کے اندر سے سورج کی شعاعوں کی طرف سے نور نکلے گا تو وہ بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہو گا پس شیخ کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔لہذا وہ ایک وقت میں چالیس جگہ کھانا کھا سکتے ہیں یہ نظریہ بھی جاہل ذاکرین اور بزعم خود بہت بڑے علامہ بننے والے مقررین سائنسی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک جسم ایک وقت میں متعدد جگہ موجود ہو سکتا ہے حالانکہ عقل ونقل اس نظریہ کے سراسر خلاف ہے۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ خالق و رازق، محی و ممیت، مدبر کائنات اور ساری کائنات کا نظام چلانے والا خدا ہی ہے لیکن شیخ احمد احسائی کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ محمد و آل محمد ہی کائنات کی علت فاعلی ہیں لہذا جو کچھ خلق کرتے ہیں وہی کرتے ہیں جسے رزق دیتے ہیں وہی دیتے ہیں۔جسے موت دیتے ہیں وہی دیتے ہیں جسے زندگی دیتے ہیں وہی دیتے ہیں غرض ساری کائنات کا نظام وہی چلاتے ہیں اور یہ بات ہمارے منبروں پر عام بیان ہو رہی ہے اور اس بیان پر بڑی واہ واہ ہوتی ہے اور بڑی داد ملتی ہے کیونکہ وہ انہیں فضائل کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ سارے انبیاء بذات خود نبی بنا کر بھیجے گئے تھے مگر شیخ کے فلسفہ کے مطابق چونکہ ساری کائنات کی علت مادی بھی محمد و آل محمد ہیں لہذا وہ جس شکل میں جانا چاہیں اس کی شکل میں جانے کا زیادہ اختیار رکھتے ہیں پس اس کے نزدیک جتنے انبیاء آئے وہ حضرت علی ہی کی شکل بدل بدل کر آئے حتیٰ کہ مروان نے جو طلحہ کو تیر مارا تھا وہ بھی حضرت علی نے ہی مروان کی شکل میں جا کر مارا تھا۔ (شرح زیارۃ صفحہ 368)

قرآن یہ کہتا ہے کہ سارے انبیاء ورسول کی خدا ہی نے مدد کی تھی لیکن شیخ کے فلسفہ کے مطابق چونکہ خدا کا کوئی کام رہا ہی نہیں لہذا گذشتہ انبیاء کی مدد بھی حضرت علیؑ ہی کیا کرتے تھے اور اب بھی جس کی مدد کرتے ہیں وہی حضرت علیؑ ہی کرتے ہیں خدا بیچارے میں اتنی قدرت کہاں؟ لہذا خدا کی مدد کو اس قوم میں اچنبھے اور تعجب کی بات سمجھا جاتا ہے خداوند تعالیٰ نے اس ہستیوں کو ہادی بنایا تھا حضرت علی علیہ السلام اپنے زمانہ حیات ظاہری میں برسر منبر پکار پکار کر کہتے رہے ''**سلونی سلونی قبل ان تفقدونی** '' پوچھ لو، پوچھ لو قبل اس کے میں تم میں نہ رہوں لیکن اس زمانے کے اکثر لوگوں نے ان سے کوئی ہدایت حاصل نہ کی اور بڑے بیہودہ سوال آپ سے کرتے رہے اور آج آپ کے خطبات اور کلمات قصار جو ہدایت کا سرچشمہ اور حکمت ودانش کا خزانہ ہیں نہج البلاغہ کی صورت میں ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے لیکن آج بھی حصول ہدایت کے لئے کوئی اس سے مدد حاصل نہیں کرتا اور اس قوم نے یا تو یہ سمجھ لیا ہے کہ خدائی کام سارے علی ہی کرتے ہیں ۔ یعنی خدا نے ان کی خدمت اور نوکری پر انہیں اسی طرح سے مقرر کر دیا ہے جس طرح زمین وآسمان، چاند اور ستارے سب کے سب اس کے فائدے کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان کے کام تو مخصوص ہیں لہذا وہ صرف وہی کام انجام دیتے ہیں لیکن حضرت علیؑ سے جو کام لینا ہے اسی کے لئے بلا سکتے ہیں ۔ اور حضرت علیؑ اس کے بلانے پر فوراً دوڑے چلے آئیں گے اور شیخ احمد احسائی نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ کوئی بھی کسی سے مدد حاصل نہیں کر سکتا مگر صرف انہیں کے ذریعہ سے جیسا کہ شیخ احمد احسائی نے شرح زیارت کے صفحہ نمبر 188 پر بیان کیا ہے۔

بعض تجسس کرنے والوں کو علمائے حق سے سوال کرتے ہوئے دیکھا ہے اور خود انہیں یہ سوال کرتے ہوئے سنا ہے کہ کیا یا علیؑ مدد کہنا جائز ہے؟ اور علمائے حق کو یہ جواب

دیتے ہوئے دیکھا ہے کہ اگر طلب امداد بطور وسیلہ ہے تو جائز ہے اگر یہ نیت ہو کہ اولاد یہی دیتے ہیں، رزق یہی دیتے ہیں تو یہ شرک ہے۔

اگرچہ خدا تو ہر ایک کی نیت سے واقف ہے لیکن بظاہر نیت کا علم صرف اسی کو ہوتا ہے جو امداد طلب کر رہا ہے لیکن جب یہ بات یقینی ہے اور حتمی ہے کہ شیعہ امامیہ اثناعشریہ کہلانے والوں میں شیخی حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کوئی کام نہیں کرتا بلکہ جو کچھ کرتے ہیں وہ یہی کرتے ہیں لہذا اس فرقے کے نزدیک "یا علی مدد" کا مطلب خود ان سے امداد مانگنا ہے اس نقطۂ نظر سے کہ انہوں نے ہی ہر کام کرنا ہے اور خدا نے کچھ نہیں کرنا لہذا یہ بات یقینی ہے یہ نعرہ شیعہ عوام میں اسی گروہ نے پھیلایا ہے۔ لہذا اگر کسی نے وسیلہ کے طور پر مدد طلب کرنی ہے تو اس کا منہ دکھتا ہے کہ دو لفظ مزید کہنے سے کہ یوں کہے "اللھم بحق علی اللھم بحق محمد و آل محمد" یا انہیں کو خطاب کرنا ہو تو یوں کہے۔ یا رسول اللہ یا علی میرے لئے بارگاہ خداوند میں شفاعت فرمایئے کہ وہ میرا فلاں کام کر دیں جیسا کہ دعائے توسل میں تفصیلاً ہر امام سے توسل کا طریقہ سکھایا گیا ہے لیکن اصل دا دتو اسی بات پر ملتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان کاموں میں یہ حضرات خود ہی مدد کرتے ہیں۔

جہاں تک وسیلہ کے لفظ کا تعلق ہے تو یہ بھی سمجھنے والی بات ہے کیونکہ حقیقت امر یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام دو کاموں میں ہمارا وسیلہ ہیں ایک کار ہدایت میں اور دوسرے شفاعت میں۔

ہدایت تو ہمیں صرف ان ہی کے ذریعے ملی ہے اور خداوند تعالیٰ نے ان کو ہمارا ہادی بنایا ہے جب وہ حیات ظاہری میں تھے تو بالمشافہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور ان کی حیات ظاہری کے بعد ان کے فرمودات، ان کے ارشادات، ان کے خطبات اور ان کے کلمات قصار ہدایت کا سر چشمہ اور حکمت کا خزانہ ہیں اور یہ ہمارے لئے ان کی ہدایت کا

اصل وسیلہ ہے۔لہذا آج ہدایت کے حصول کے لئے صرف زبان سے ''یا علیؑ مدد'' کہنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ ان کے بیان کردہ فرمودات ،ان کے ارشادات ،ان کے خطبات، ان کے کلمات وقصار کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو نہج البلاغہ میں اور دوسری معتبر کتابوں کی صورت میں موجود ہیں تب ہدایت ملے گی۔

جہاں تک شفاعت کا تعلق ہے تو ان ذوات مقدسہ کی شفاعت بارگاہ خداوندی میں مقبول ہے لہذا ان سے طلب شفاعت کے لئے یا تو کہے کہ ''**اللھم بحق محمد وآلہ محمد یا اللھم بحق علی** ''یا خود ہی ان کو مخاطب کر کے کہے کہ یارسول اللہ میری بارگاہ خدا میں فلاں کام کے لئے شفاعت کیجئے اور اس طرح دو الفاظ زائد کہنے سے اس کی زبان نہیں گھس جائے گی۔ورنہ یہ صرف ایک نعرہ ہی نعرہ ہے جو شیعہ عوام کے ذہنوں میں بٹھانے کے لئے ایجاد کیا گیا ہے اور مقصد اصل اس کا وہی ہے کہ شیعہ عوام کو یہ نعرے لگوا لگوا کر ان کے ذہنوں میں اس بات کو پختہ کردیں کہ خدا سے مدد مانگنا انہیں عجیب لگنے لگے اور وہ صرف علیؑ کو ہی مدد کرنے والا سمجھنے لگیں۔

بہر حال قرآن یہ کہتا ہے کہ ''**ولا یحیطون بشی ء من علمه الا بماشاء** ''(البقرہ:255)اس کے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا وہی جس کو چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اور جتنی ضرورت ہے وہ اس کے لئے سمجھتا ہے اتنا علم وہ اسے دے دیتا ہے۔لیکن شیخ احمد احسائی کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ خدا کو کچھ بھی علم نہیں ہے سارا علم غیب محمد وآل محمد علیہم السلام کے پاس ہے اور وہی عالم الغیب ہیں۔چونکہ کائنات کی علت فاعلی یہی ہیں لہذا جب یہ کچھ کر لیتے ہیں تو خدا کو بھی اس کا علم ہوجاتا ہے۔یعنی قرآن تو یہ کہتا ہے کہ عالم الغیب صرف خدا کی ذات ہے البتہ جتنے علم کی ان کو ضرورت ہوتی ہے وہ خدا ان کو بذریعہ وحی عطا کردیتا ہے مگر ہمارے منبروں پر جب تک یہ بات بیان نہ کی جائے کہ یہ حضرات عالم الغیب ہیں

ان کے نزدیک مجلس کامیاب ہی نہیں ہوتی۔

قرآن یہ کہتا ہے ''ولہ الاسماء الحسنی '' سارے اچھے نام اسی کے ہیں۔ اور فی الحقیقت جتنے خدا کے نام قرآن میں آئے ہیں وہ سارے کے سارے خداوند تعالی کے اسمائے صفات ہیں یا اسمائے افعال ہیں۔ لیکن شیخ کے فلسفہ کی رو سے چونکہ محمد وآل محمد علیہم السلام ہی علت فاعلی کائنات ہیں لہذا سارے اسمائے صفات واسمائے افعال جتنے قرآن میں بیان ہوئے ہیں وہ سب کے سب محمد وآل محمد علیہم السلام کے اسمائے صفات اور اسمائے افعال ہیں۔ پس رحمٰن بھی وہی ہیں، غفار بھی وہی ہیں، ستار بھی وہی ہیں، خالق بھی وہی ہیں، رازق بھی وہی ہیں وعلیٰ ھذہ القیاس ،یہ سارے ان کے اسمائے صفات وافعال ہیں یہ خدا کے اسمائے صفات وافعال نہیں ہیں (شرح زیارۃ صفحہ 285)

قرآن یہ کہتا ہے کہ ''کل یوم ھو فی شان '' ہر روز ایک نئی شان میں ہوتا ہے ایک نئی حالت میں ہوتا ہے اور کوئی شان اسے اس کی دوسری شان سے نہیں روکتی۔ لیکن شیخ کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ خدا کی کوئی شان ہی نہیں بلکہ دراصل محمد وآل محمد ہر روز ایک نئی شان میں اور ایک نئی حالت میں ہوتے ہیں کسی کو مار رہے ہیں کسی کو زندہ کر رہے ہیں کسی کو خلق کر رہے ہیں کسی کو رزق دے رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ خداوند تعالی اپنے ارادہ واختیار سے جب اس کی مشیت ہوتی ہے تب وہ کام انجام دیتا ہے لیکن شیخ کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ خداوند تعالی کی کوئی مشیت نہیں ہے بلکہ آئمہ اہل بیت کی مشیت ہوتی ہے وہی جو کچھ چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اسی بات کو اپنی طرف سے گھڑ کر اس شاعر نے نظم کیا ہے کہ پیغمبرؐ تو ایک راہب سے یہ کہتے رہے کہ خدا کی مشیت نہیں کہ اس کے اولاد ہو۔ لیکن امام حسین علیہ السلام یہ کہتے رہے کہ میں نے اس کو ایک فرزند دیا۔ اور ہر دفعہ پیغمبرؐ کے بتلانے پر کہ اس کے لئے خدا کی مشیت نہیں ہے امام

حسین علیہ السلام اسے فرزند پر فرزند دیتے چلے گئے اور رجوبات کسی شاعر نے نظم کر دی وہ گویا ان کے جہلاء کے نزدیک قرآن بن گیا اپنے مطلب کے ثبوت میں شعر پیش کیے جاتے ہیں بیشک قرآن کہتا رہے کہ شعرا کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں ایسی باتیں بیان کرنے پر ہی واہ واہ ہوتی ہے اور خوب داد ملتی ہے اور اولاد کے چاہنے والوں کو خدا کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک خدا کے پاس رکھا ہی کیا ہے؟؟؟؟؟؟؟؟۔

قرآن یہ کہتا ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبرؐ نے جبرئیل سے دیر کر کے آنے اور جلدی جلدی نہ آنے کی وجہ پوچھی تو جبرئیل نے خدا کی وحی کے ذریعے جواب دیا کہ ''**وما نتنزل بامر ربک**'' ہم اپنی مرضی سے نہیں آتے بلکہ جب تمہارے رب کا حکم ہوتا ہے تب نازل ہوتے ہیں۔ لیکن شیخ احمد احسائی کا فلسفہ یہ کہتا ہے کہ ملائکہ کی حرکت وسکون اہل بیت کے ہاتھوں میں ہے۔ ''**بهم تحرکت المحرکات وبهم سکنت السواکن**''
(احقاق الحق صفحہ 315 سطر 33-23) یعنی جو چیز حرکت کر رہی ہے اس کو حرکت دینے والے بھی علی ہی ہیں اور جو چیز ساکن ہے اس کو حالت سکون میں رکھنے والے بھی علی ہیں۔ اسی بات کو فریب خوردگان مذہب شیخیہ کے جاہل ذاکر اور احمق مقرر وواعظ بڑے فخر سے ایک بہت بڑی فضیلت کے عنوان سے بیان کرتے ہیں کہ کوئی فرشتہ ان کے حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا۔ لہذا فرشتوں کے سارے کام ان کے حکم سے انجام پاتے ہیں کتنی داد ملتی ہے ہمارے جاہل ذاکر وواعظ کو جب وہ یہ کہتا ہے کہ ملک الموت ان کے حکم کے بغیر کسی ذی روح کی روح کو قبض نہیں کرتا اور سارے ملائکہ جو کام کرتے ہیں وہ انہیں کے حکم سے بجا لاتے ہیں۔

یہ چند نمونے صرف ان باتوں کے ہیں جو میں نے خود اپنے منبروں سے جاہل

ذاکروں اور فریب خوردگان مذہب شیخیہ مجلس خوان مقرروں سے سنے ہیں اور شیخ احمد احسائی نے یہ فلسفہ اپنے عقیدہ تفویض کو مستدل کرنے کے لئے گھڑا تھا اور مفوضہ بالاتفاق مشرک ہیں لیکن نے مذکورہ عنوان کے تحت صرف انہیں باتوں کا ذکر کیا ہے جو میں نے خودفریب خوردگان مذہب شیخیہ ذاکروں اور مجلس خوان مقررین سے اپنی مجالس میں اپنے منبروں سے سنا ہے اور جس کے کچھ نمونے آگے چل کر پیش کیے جائیں گے۔

پیروان مذہب شیخیہ کی چالاکی ومکاری وعیاری وفریب کاری اور پاکستان کے بہت سے شیعہ عوام کی سادہ لوحی اور فریب خوردگی

دنیا میں کسی مذہب کے پیروکار اتنے چالاک، اتنے مکار، اتنے عیار اور اتنے فریب کار نہ ہوں گے جتنے شیخیہ احقاقیہ کویت کے پیروکار ہیں۔

شیخ احمد احسائی نے تیرھویں صدی کے چوتھے عشرے میں اپنے عقیدہ تفویض کو مستدل کرنے کے لئے قرآن کی تعلیمات کے سراسر خلاف، فلسفہ یونان کی نقل کرتے ہوئے شعاعوں والا ایک جدید فلسفہ پیش کیا تھا جس کے ذریعے اس نے دین اسلام کے تمام بنیادی اصولوں کو بدل کر رکھ دیا تھا لہٰذا اس وقت کے نجف وکربلا کے تمام بزرگ شیعہ علمائے اسلام ومجتہدین عظام ومراجع عالیقدر شیعیان جہان نے جن سے بڑھ کر شیعہ اعلم العلماء دنیا میں کوئی نہ تھا انہوں نے شیخ احمد احسائی کو اس بناء پر کہ اس نے اپنے خود ساختہ خیالی وقیاسی ومن گھڑت شیطانی فلسفہ کے ذریعے دین اسلام کے تمام بنیادی اصولوں کو بدل کر رکھ دیا تھا اسے کافر قرار دیا تھا اور ان عقائد میں اس کی پیروی کرنے والوں کا نام شیخی

اوران عقائد پر مشتمل مذہب کا نام شیخیہ رکھا تھا۔ شیخ احمد احسائی کے عقائد کا تو بزرگ شیعہ علماء نے اس لئے مذہب شیخیہ رکھا تھا کہ اس نے قرآن کی تعلیمات کے سراسر خلاف ایک نیا فلسفہ پیش کیا تھا جو حتمی طور پر ایک نیا مذہب بن کر سامنے آیا تھا۔ جس کے ذریعے اس نے نہ صرف عقیدہ تفویض کو مستدل کیا تھا بلکہ بہت سی مسلمات قرآن سے بھی انکار کردیا تھا اور جس کا شیعہ عقائد سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

لیکن پیروان مذہب شیخیہ اور شیخی مبلغین اتنے چالاک، اتنے مکار، اتنے عیار اور اتنے فریب کار ہیں کہ دنیا میں کسی بھی باطل مذہب کے پیرو کار اتنے چالاک، اتنے مکار، اتنے عیار اور اتنے فریب کار نہ ہوں گے۔

نجف و کربلا کے تمام شیعہ علماء اعلام و مجتہدین عظام و مراجع عالیقدر شیعیان جہان نے تو اس مذہب کا نام شیخی اس لئے رکھا تھا کہ شیخ احمد احسائی نے یقینی طور پر اسلامی شیعہ عقائد سے ہٹ کر نئے عقائد و افکار و نظریات پیش کئے تھے اوران عقائد کے خلاف قرآن و اسلام ہونے کی بنا پر اس کے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ لیکن پیروان مذہب شیخیہ نے اپنے مذہب کی تبلیغ کو شیعوں میں پھیلانے کے لئے شیطان والا حربہ استعمال کیا اوران تمام مراجع عظام کو جنہوں نے شیخ احمد احسائی کے نئے ایجاد کردہ مذہب کی بناء پر اسے مذہب شیخیہ قرار دیا تھا " بالاسری" کہنا شروع کردیا۔ کیونکہ حجتہ الاسلام آیت اللہ فی الانام المراجع دینی شیعیان جہان آقائے سید محمد مہدی ابن سید علی صاحب ریاض جنہوں نے شیخ احمد احسائی کے کفر کے فتوے کی تصدیق کی تھی اوراس کے عقائد کا نام مذہب شیخیہ رکھا تھا کربلائے معلی میں امام حسین علیہ السلام کے سراقدس کی طرف واقع رواق میں جماعت ادا کراتے تھے لہذا پیروان مذہب شیخیہ نے شیعیان جہان کو دھوکہ دینے کے لئے اور شیعوں کو خود شیعہ ظاہر کرنے کے لئے یہ کہنا شروع کردیا کہ ہم تو شیخی ہیں اور ہمارے مخالفین " بالاسری" ہیں اور

عراق میں آج تک اس نو ایجاد مذہب کے پیرو کار یعنی پیروان مذہب شیخیہ ان تمام شیعیان امامیہ اثناعشریہ کو جو قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق صحیح شیعہ اسلامی عقائد رکھتے ہیں ''بالا سری'' کہتے ہیں۔

پیروان مذہب شیخیہ نے شیطان والا دوسرا حربہ یہ استعمال کیا کہ انہوں نے اپنے عقیدہ تفویض پر مبنی نظریات اور خلاف قرآن و تعلیمات اسلام اپنے جدید فلسفہ کی رو سے ایجاد کردہ عقائد و نظریات اور خلاف قرآن و تعلیمات اسلام اپنے جدید فلسفہ کی رو سے ایجاد کردہ عقائد و نظریات و افکار کو فضائل محمد و آل محمد علیہم السلام کے طور پر پیش کیا جو حتماً فضائل محمد و آل محمد نہیں بلکہ باطل و فاسد و نظریات اور مذہب شیخیہ کی خرافات ہیں جنہیں کوئی عقلمند فضائل تسلیم نہیں کرسکتا۔ لہذا وہ قدیمی شیعہ امامیہ اثناعشریہ کو منکرین فضائل محمد و آل محمد علیہم السلام کہتے ہیں۔ مقصر کہتے ہیں اور قشری کہتے ہیں۔

شیخ احمد احسائی کے زمانے سے لے کر آج تک عراق و ایران اور ہندو پاکستان میں شیعہ علماء شیخیت کے خلاف جہاد کرتے اور ان کے باطل عقائد کے ردو ابطال مین کتابیں تصنیف و تالیف کرتے ہیں، جن کے اسمائے گرامی اور ان کی تصانیف و تالیفات کی فہرست ہم نے اپنی کتابوں ''ایک پر اسرار جاسوسی کردار'' یعنی شیخ احمد احسائی مسلمان پاکستان کی عدالت میں، میں اور ''شیخیت کیا ہے؟ اور شیخی کون؟ اور'' کیا خالصیت بھی کوئی مذہب ہے ؟'' میں پیش کردی ہے۔

مذکورہ فہرست میں خالصی صاحب اور علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب نجفی کی کتابیں شامل نہیں ہیں۔

مولانا محمد بشیر انصاری صاحب نے عراق میں مذہب شیخیہ احقاقیہ کویت کی صحبت میں رہتے ہوئے جب مذہب شیخیہ اختیار کیا تو وہاں انہیں یہ معلوم ہوگا کہ عراق کے شہر

کاظمین میں ایک شیعہ عالم رہتے ہیں جن کا نام محمد خالصی ہے انہوں نے مذہب شیخیہ کے خلاف کتابیں لکھی ہیں اور وہ اس مذہب کے تحت خلاف ہیں۔ بہر حال مذہب شیخیہ اختیار کر کے مولانا بشیر احمد انصاری صاحب جب عراق سے پاکستان میں وارد ہوئے تو ان ہی کتابوں سے پاکستان میں مذہب شیخیہ کے عقائد وافکار کی فضائل محمد و آل محمد کے نام سے تبلیغ کرتے رہے۔ ثبوت کے لئے ان کے خطوط کے عکس آخر میں ملاحظہ کریں۔

پاکستان کا ہر شیعہ اس بات کی گواہی دے گا کہ جب تک علامہ محمد حسین ڈھکو نجفی صاحب شیخیت کے عقائد کے رد و ابطال میں اصول الشریعہ لکھ کر شائع نہیں کی۔ اس وقت تک کوئی بھی شیعہ پاکستان میں خالصی کے نام سے واقف نہیں تھا کیونکہ مولانا محمد بشیر انصاری صاحب خود کو پوشیدہ رکھ کر اپنا شیخی ہونا ظاہر کئے بغیر، شیخی عقائد کو مجالس میں فضائل محمد و آل محمد علیہم السلام کے نام سے بیان کر رہے تھے۔

لیکن جب علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب نے اصول الشریعہ میں مذہب شیخیہ کے رد و ابطال شائع کیا تو مولانا محمد بشیر انصاری نے اسے خالصیت قرار دیا جیسا کہ انہوں نے اپنے مکتوب مورخہ 22-05-1975 میں شیخی مبلغ کاظم علی رسا کو لکھا کہ:

''ابھی تک ڈھکو کے جوابات میں شب و روز مشغول ہوں اس نے تازہ ایڈیشن میں اپنی دونوں کتابوں احسن الفوائد اور اصول الشریعہ میں نہایت بے رحمی سے شیخ اوحد اور سید رشتی علیہ الرحمہ پر حملے کئے ہیں''۔

آپ نے حقائق جلد دوم کا مطالعہ فرمایا ہوگا اس میں ان بزرگوں کے عقائد کی تائید اور دلائل عقلیہ سے تسدید کی گئی ہے۔

یہ پاکستان فتنہ جو شیخی خالصی کی سیرت کا احیاء ہے نہایت قوت و شدت اختیار کر گیا ہے اس کا دفاع نہایت ضروری بلکہ اوجب واجبات میں ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ پاکستان کے سارے ہی شیعہ اتنے احمق اور بے وقوف ہوں گے کہ وہ مولانا محمد بشیر انصاری صاحب کے اس جملہ کا مطلب نہ سمجھے ہوں کہ: "یہ پاکستانی فتنہ جو شیخ خالصی کی سیرت کا احیاء ہے نہایت قوت وشدت اختیا کرگیا ہے"۔ کیونکہ انہوں نے واضح الفاظ میں اس فتنہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "اس (ڈھکو صاحب) نے تازہ ایڈیشن میں اپنی دونوں کتابوں احسن الفوائد اور اصول الشریعہ میں نہایت بے رحمی سے شیخ اوحد اور سید رشتی علیہ الرحمار پر حملے کئے ہیں"۔ پس مولانا محمد بشیر انصاری نے اپنے اس جملہ کے ذریعہ یہ بتلادیا کہ فی الحقیقت ان کے نزدیک شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی کے عقائد کا رد و ابطال کرنا اور ان کے عقائد کے خلاف لکھنا پاکستان میں شیخ خالصی کی سیرت کا احیاء ہے۔

حالانکہ فی الحقیقت اگر یہ کسی سیرت کا احیاء ہے تو یہ اولاً آئمہ اطہار علیہم السلام کی سیرت کا احیاء ہے جو ہمیشہ باطل عقائد کا رد و ابطال فرمایا کرتے تھے ثانیاً یہ نجف و کربلا کے ان شیعہ علمائے اعلام ومجتہدین عظام و مراجع عالیقدر شیعیان جہان کی سیرت کا احیاء ہے جنہوں نے کربلا و نجف میں شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی سے بالمشافہ مناظرہ کرکے اسے کافر قرار دیا اور اس کے عقائد کو باطل و فاسد اور خلاف قرآن قرار دیتے ہوئے اس کے عقائد وافکار کی پیروی کرنے والوں کا نام مذہب شیخیہ رکھا لیکن جو شیخی یہ سمجھتا ہے کہ شیخ احمد احسائی کے عقائد وافکار کا نام مذہب شیخیہ اور اس کی پیروی کرنے والوں کا نام شیخی، علامہ محمد حسین صاحب ڈھکو نے یا ماضی قریب میں ہونے والے شیعہ عالم علامہ خالصی نے رکھا ہے تو ایسا شخص لاعلم ہے یا بے خبر ہے یا بالکل جاہل ہے اور احمق ہے اور فریب خوردہ پیروان مذہب شیخیہ ہے۔ یا وہ اصلی شیخی ہے اور سادہ لوح شیعہ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ایسا کہہ رہا ہے۔ اور یہ بات شیخی عقائد سے گمراہ شدہ شخص کی علامت بن گئی ہے کہ جب اس کے ایسے

بیان پر کہا جاتا ہے کہ یہ تو مذہب شیخیہ کا عقیدہ ہے تو وہ اپنے سامعین کو دھوکہ دینے کے لئے فوراً یہ کہتا ہے کہ جس نے یہ ہے وہ خالصی کا پیروکار ہے یا وہ ڈھکو پارٹی سے ہے۔

انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے منبروں پر مجالس میں اکثر جاہل ذاکرین اور مجلس خوان مقررین ان ہی شیخی عقائد کو فضائل کے نام سے بیان کررہے ہیں۔

یہ حضرات یا تو حتماً مذہب شیخیہ رکھتے ہیں یا وہ مبلغین مذہب شیخیہ کی صحبت میں رہتے ہوئے ان کے فریب میں آگئے ہیں اوران کی خرافات کو فضائل آل محمد علیہم السلام سمجھ بیٹھے ہیں۔ہم نے خود ان باطل فاسد عقائد کو جن مقررین سے بیان کرتے ہوئے سنا ہے ان میں سے کچھ کے بیانات نمونہ کے طور پر ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں

شیخی عقائد کے مجالس میں بیان ہونے کے چند نمونے

ایک مرتبہ مولانا محمد عارف صاحب چنیوٹ میں عشرہ محرم پڑھنے آیا۔امام بارگاہ مہاجرین میں انہوں نے عشرہ محرم پڑھا۔مجلس کا عنوان انہوں نے آیہ وافی ہدایت ''لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخسرین ''(الزمر:25) کو بنایا۔

یعنی اگر تم نے (بھی) شرک کیا تو تمہارے عمل (بھی) ضرور ضائع ہوجائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجاؤ گے۔لیکن پہلی مجلس میں انہوں نے یہ پڑھا کہ ساری کائنات کے خالق محمد وآل محمد ؑ ہی ہیں اور یہ کہنا شرک نہیں ہے۔دوسری مجلس میں پھر اسی آیت کو عنوان بنا کر یہ پڑھا کہ ساری کائنات کو محمد وآل محمد ہی رزق دیتے ہیں اور یہ کہنا شرک نہیں ہے۔تیسری مجلس میں پھر اسی آیت کو عنوان بنا کر یہ پڑھا کہ ساری کائنات کو زندگی عطا کرنے والے محمد وآل محمد ہی ہیں۔پانچویں مجلس میں انھوں نے یہ پڑھا کہ محمد و آل محمد ہی ''رب'' ہیں۔میں ہر مجلس کے بعد جب وہ منبر سے اتر کر چلتے ان کے پیچھے دوڑتا

۔لیکن وہ کار میں بیٹھتے ہی روانہ ہو جاتے اور میں ہر مجلس کے بعد بانی مجلس سے اس پر احتجاج کرتا اور ان سے یہ کہتا کہ مجھے ان سے ملواؤ۔لیکن وہ ہر دفعہ یہی کہتے کہ انہوں نے دوسری جگہ مجلس پڑھنی ہوتی ہے لہذا ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا جس دن انہوں نے یہ پڑھا کہ محمد و آل محمد ہی رب ہیں تو میں نے بانی ءمجلس سے کہا بھائی وقار مہدی اگر آپ مجھے ان سے ملوا نہیں سکتے تو انہیں منبر پر بٹھانے سے پہلے یہ پرچہ دے دینا اور انہیں کہنا کہ اس آیت کا صرف ترجمہ کر کے سنا دیں۔وہ آیت یہ تھی۔"قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الا تعبدوا الا الله ولا تشرک به شیئا ولا یتخذو بعضنا بعضا اربابامن دون الله فان تولو فقول اشهدوا انا مسلمون"

(آل عمران:64)

"اے رسول کہہ دو کہ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مساوی ہے کہ ہم سوائے خدا کے اور کسی کی پرستش نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور خدا کو چھوڑ کر ہم سے کوئی کسی کو رب نہ بنائے پھر اگر وہ روگردان ہوں تو کہہ دو کہ اس بات کے گواہ رہنا کہ ہم تو اسی کے تابع فرمان ہیں"۔

اگلے دن جب مولانا محمد عارف صاحب منبر پر بیٹھے تو انہوں نے ایک رقعہ جیب سے نکال کر فرمایا کہ مجھے کسی نے یہ رقعہ بھیجا ہے کہ میں اس آیت کا ترجمہ کر کے سنا دوں۔ لہذا انہوں نے ترجمہ سنانے کے بعد بڑا زور لگا کر فرمایا کہ: ہم نے تھوڑا ہی ان کو رب بنایا ہے جب خدا نے ان کو رب بنا دیا" ان کے اس بیان پر اتنی واہ واہ ہوئی کہ سارا ہال گونج اٹھا اور ہر صاحب فہم اور ہر صاحب عقل کو معلوم ہو گیا کہ یہ واہ واہ کرنے والی قوم اتنی احمق اور اتنی بے وقوف ہے کہ اس کا خدا ہی حافظ ہے۔

ایک اور مجلس کا حال سنیئے یہ مولانا محبوب علی صاحب ہمدانی نے امام بارگاہ قصر

زین العابدین چنیوٹ میں پڑھی تھی انہوں نے ایک آیت کے ذیل میں جو یہ تھی۔

''انما امرہ اذا ارادہ ان شیئا یقول لہ کن فیکون '' (الصفت:82)

یعنی یہ فقط اسی کی شان ہے کہ جونہی اس نے کسی چیز کا ارادہ کیا ہے کہ اسے یہ کہے کہ ہو تو وہ ہو جاتی ہے۔

مولانا محبوب علی صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ خدا کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو تو وہ ہو جاتی ہے۔

پھر مولانا صاحب نے دلائل دینے شروع کئے کہ کچھ کہنے کے لئے زبان کی ضرورت ہے اور زبان کے لئے منہ کی ضرورت ہوتی ہے، منہ کے لیئے چہرے کی ضرورت ہے، چہرے کے لئے سر کی ضرورت ہے اور سر کے لئے دھڑ کی ضرورت ہے اور خدا جسم نہیں رکھتا پس یہ ''کن'' یعنی ''ہو'' کہنے والا خدا نہیں ہو سکتا۔ پس یہ ''کن'' یعنی ''ہو'' کہنے والے محمد و آل محمد علیہم السلام تھے بالفاظ دیگر ساری کائنات کے خالق وہی ہیں۔

پھر کتنی داد ملی بے وقوفوں کی طرف سے تمام حال گونجتا رہا اور اکثر داد ایسی ہی باتوں پر دی جاتی ہے جب وہ منبر سے اتر کر بانی مجلس کی بیٹھک میں جا کر بیٹھے تو میں نے محترم سید مخدوم حسین نقوی صاحب نے کہا کہ ان مولانا صاحب سے جا کر پوچھو کہ جب خدا نے محمد و آل محمد علیہم السلام کو خلق فرمایا تو ''کن'' یعنی ''ہو'' کہنے والا کون تھا؟ محترم مخدوم حسین نقوی صاحب نے مجھے بتلایا کہ جب انہوں نے جا کر ان سے پوچھا تو وہ دم بخود ہو کر رہ گئے اور کچھ جواب نہ دے سکے۔

ایک اور مجلس کا حال سنیئے۔ یہ پروفیسر محسن رضا صاحب نے جو فیصل آباد کے رہنے والے تھے چنیوٹ کی امام بارگاہ قصر زین العابدین میں پڑھی تھی انہوں نے منبر پر بیٹھتے ہی فرمایا آج میں اس مجلس میں ''یا علی مدد'' کہنا ثابت کروں گا اور پھر انہوں نے ''یا علی

مدد" کہنا اس طرح ثابت کیا کہ مثال کے طور پر آپ یوں سمجھیں کہ سالم صوبہ کی چینی کا خزانہ گورنر کے پاس ہوتا ہے۔ گورنر ہر تحصیل کے تحصیلدار کو چینی کی ایک مخصوص مقدار دے کر جو اس علاقے کی ضروریات کو پوری کر سکے، اسے یہ اختیار سپرد کر دیتا کہ جب ضرورت مند عوام میں چینی تقسیم کرے (یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب چینی راشن سے ملتی تھی) اب آپ کو حضرت عباس کی نیاز کے لئے چینی کی ضرورت پڑی لہذا آپ نے چینی کے لئے درخواست لکھتے ہیں کہ جناب گورنر صاحب مجھے حضرت عباس کی نیاز کے لئے 20 سیر چینی کی ضرورت ہے (ان دنوں کیلو نہیں تھے بلکہ سیر ہوا کرتے تھے) یہ درخواست لے کر آپ گورنر صاحب کے پاس جاتے ہیں اور اپنی درخواست گورنر صاحب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تو گورنر صاحب آپ کی درخواست پڑھ کر کہیں گے کہ میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟ میرے پاس کیا رکھا ہے؟ میں نے تمہارے تحصیلدار کو چینی کی تقسیم کا کام سپرد کر کے سب اختیار ان کو دے دیا ہے۔ جاؤ ان سے درخواست کرو چینی تو تمہیں وہی دیں گے۔ لہذا سب مل کر کہو "یا علی مدد" پھر سارا ہال "یا علی مدد" سے گونجتا رہا۔ اور میں اس قوم کی حماقت اور بے وقوفی پر کف افسوس ملتا رہا۔

پروفیسر محسن رضا صاحب تو منبر سے اتر کر سیدھے کار میں بیٹھے اور فیصل آباد چلے گئے اور باقی مجلس اپنے گھر تشریف لے گئے لیکن مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے بانی مجلس کے گھر جا کر ان سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا: بھائی وقار مہدی آپ کے نزدیک تفویض کا عقیدہ کیسا ہے؟ کہنے لگے بالکل شرک، میں نے کہا یہ جو محسن رضا صاحب نے چینی کی تقسیم کا کام تحصیلدار کو سپرد کرنے کی مثال کے ذریعہ "یا علی مدد" ثابت کیا ہے۔ کیا یہی تفویض نہیں ہے تو بھائی وقار مہدی صاحب نے سوچنے کے انداز میں تھوڑی دیر کے لئے گردن جھکائی اور پھر اپنے چھوٹے بھائی سبطین مہدی صاحب سے کہنے لگے: ارے سبطین یہ تو واقعی محسن

رضا تفویض پڑھ گئے جب میری ان سے ملاقات ہو تو مجھے یاد دلانا میں ان سے کہوں گا کہ میاں تم تو یہ بالکل تفویض والا عقیدہ بیان کر گئے ہو۔

مجھے معلوم نہیں کہ پھر بھائی وقار مہدی صاحب نے ان سے پوچھا یا نہیں۔ لیکن مجھے تو شیخ احمد احسائی کا "**انتم السبیل الاعظم**" کی تشریح میں یہ فقرہ یاد ہے کہ کوئی بھی کسی سے امداد حاصل نہیں کرسکتا "**الا بھم و منھم**" (شرح زیارۃ صفحہ 188) لیکن اس کی علت فاعلی اور علت مادی وہی ہوتے ہیں یعنی جس کی بھی امداد کرتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ خدا خود کسی کی مدد نہیں کرسکتا۔ لہذا مبلغین شیخیہ نے اپنے عقیدہ تفویض کو سادہ لوح شیعہ عوام کے ذہنوں میں بٹھانے کے لئے اس نعرہ کو رواج دیا ہے اور بظاہر اس نعرہ میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے اور شیعہ عوام کے دلوں کو بھلا لگنے والا ہے۔ لہذا ان میں سے اس نے بڑی سرعت کے ساتھ رواج پایا اور جب کوئی غلط بات کسی معاشرے میں رواج پا جائے تو پھر یہ کسی کے بس کی بات نہیں رہتی کہ اور اسے روک سکے۔

واڑہ ٹھٹھہ محمد شاہ کی ایک مجلس میں حافظ محمد یونس صاحب نے آیت تو یہ عنوان کی کہ "**اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھا ذریتھم**" یعنی جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ثابت یہ کیا کہ "علی ساڈا رب ہے" جب میں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی تو بانیان مجلس نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں خود مجلس پڑھوں اور اس بات کا جواب دوں۔ لہذا میں نے اس کے جواب میں مجلس پڑھی اور واڑہ ٹھٹھہ محمد شاہ کے سارے سامعین واہ ہیں کہ مذکورہ مقرر جو سامعین میں بیٹھے ہوئے تھے دم بخود رہ گئے۔

بہر حال اگرچہ وہ بانیان مجلس دیہات کے رہنے والے تھے مگر سمجھ دار تھے اور بات کو سمجھنا چاہتے تھے مگر چنیوٹ میں امام بارگاہ قصر زین العابدین میں صفدر حسین بخاری

صاحب نے ایک مجلس پڑھی اور وہ آیت پڑھی جس میں ملائکہ کو سجدہ آدم کا حکم ہے اور اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ ملائکہ نے سجدہ کیا تو مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔اب اس آیت سے استدلال سنیئے فرماتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ جو انبیاء کو بشر کہے وہ شیطان ہوتا ہے۔ لیکن جب بخاری صاحب کے خلاف احتجاج کیا گیا تو بانی مجلس سید اظہر مقصود زیدی صاحب ہم سے ناراض ہو گئے اور یہ کہا کہ میں ان کی مجلس خراب کرتا ہوں اور بخاری صاحب نے لوگوں سے یہ کہا کہ یہ خالصی کا پیرو کار ہے اور میرا دشمن ہے۔اور ظہور سوہدہ صاحب نے "فتمثل لھا بشر اسویا" (مریم:17) سے یہ استدلال کیا کہ جب جبرئیل فرشتہ بشر کے لباس میں آسکتا ہے تو نبی بشر کے لباس میں کیوں نہیں آسکتا؟ یعنی نبی بشر نہیں ہوسکتا۔

بہرحال کہاں تک لکھوں اگر میں سارے ذاکرین اور مجلس خوان مقررین کی باتوں کو لکھوں کہ فلاں ذاکر نے یہ پڑھا اور فلاں ذاکر نے یہ پڑھا تو اس کے لئے ایک علیحدہ ضخیم کتاب کی ضرورت ہے لہذا نمونے کے طور پر ان ہی چند شیخی مقررین کے بیانات پر اکتفا کرتا ہوں ان سے ہی واضح طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ ہم کسی پر تہمت نہیں لگاتے بلکہ ہمارے منبروں پر اکثر ذاکرین اور مجلس خوان مقررین جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ مذہب شیخیہ کے عقائد و نظریات ہیں۔اور انہوں نے یا تو بزرگ مبلغین شیخیہ سے با قاعدہ تربیت حاصل کی ہے یا ان کی صحبت میں رہتے ہوئے جو کچھ سیکھ لیا ہے اسی کو بیان کررہے ہیں۔

اور پیروان مذہب شیخیہ کی مکاری وعیاری وفریب کاری اور دھوکہ دہی کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے حجتہ الاسلام آیت اللہ فی الانام المرجع دینی شیعیان جہان آقائے سید محمد مہدی ابن سید علی صاحب ریاض سے لے کر آج تک عراق میں تمام شیعہ علمائے اعلام و مجتہدین عظام و مراجع عالی قدر شیعیان جہان اور سارے شیعہ عوام کو جو شیخی نہیں تھے "بالا

سری'' کہا تا کہ یہ کہہ سکیں کہ جو ہمیں شیخی کہتے ہیں وہ بالاسری ہیں یعنی دونوں شیعہ ہیں حالانکہ ان تمام مراجع عظام نے ان کو شیعہ امامیہ جعفریہ سے علیحدہ مذہب قرار دیا اور اس کا نام شیخی رکھی ۔ یہی چالاکی ومکاری وعیاری وفریب کاری پاکستان کے پیروان مذہب شیخیہ نے اختیار کی ہے اور ماضی قریب میں شیخیوں کی مخالفت کرنے والے ایک شیعہ عالم علامہ خالصی کی طرف نسبت دے کر غلط اور جھوٹ کہا کہ شیخ احمد احسائی کو سب سے پہلے علامہ خالصی نے کافر کہا اور شیخی کہا لہذا جو ہمیں شیخی کہتا ہے وہ خالصی ہے ۔ یہ ان کی چالاکی و مکاری وعیاری وفریب کاری اور شیعیان پاکستان کو دھوکہ دینے کی انتہا ہے ۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خالصی پہلا شخص نہیں ہے جس نے شیخی عقائد کو باطل قرار دیا مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب شیخیت کیا ہے؟ اور شیخی کون؟ اور کیا خالصیت بھی کوئی مذہب ہے اور ایک پراسرار جاسوسی کردار یعنی شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں ۔

پاکستان کے شیعہ عوام اچھی طرح سے یاد رکھیں کہ وہ شیعہ امامیہ جعفریہ اثناعشریہ ہیں جو انہیں خالصی کہتا ہے وہ پکا شیخی ہے یا فریب خوردہ پیروان مذہب شیخیہ ہے اور اصل حقیقت سے بے خبر اور لاعلم ہے یا جاہل اور احمق اور پکا بے وقوف ہے ۔

اب آگے مولانا محمد بشیر انصاری اور محمد اسماعیل دیو بندی کے مکتوبات کا عکس ملاحظہ ہو ۔

مولانا محمد بشیر انصاری کے خطوط سے قابل غور اقتباسات

مکتوب 75-3-14

علماء باطن و تلامذہ حضرت شیخ اوحد (رح) کے اسمائے گرامی اور ان کے مولفات کے فہارس سے مطلع کیجئے میرے پاس صرف ان کی شرح زیارت جامعہ اور ان کے شاگردوں میں سے ایک عالم محققین کی کتاب احقاق الحق طبع جدید نجف اشرف موجود ہے۔

مکتوب 75-7-8

پاکستانی علماء شیعہ میں اکثر و بیشتر قشری ہیں ۔ جناب شیخ اوحد طاب ثراہ کے افادات تک رسائل مشکل ہے اس آخر عمر میں چاہتا ہوں کہ اردو میں یہ مضامین عالیہ قلمبند ہو جائیں۔

مکتوب 75-7-22

ا۔ ابھی تک ڈھکو کے جوابات میں شب و روز مشغول ہوں اس نے تازہ ایڈیشن میں اپنی دونوں کتابوں احسن الفوائد اور اصول الشریعہ میں نہایت بے رحمی سے شیخ اوحد اور سید کاظم رشتی علیہ الرحمہ پر حملے کیے ہیں۔

۲۔ آپ نے حقائق الوسائط جلد دوم کا مطالعہ فرمایا ہوگا اس میں ان بزرگوں کے عقائد کی تائید اور دلائل عقلیہ سے تسدید کی گئی ہے۔

مکتوب 75-10-3

مولانا اسمٰعیل صاحب نے جو رسالہ تحریر فرمایا ہے اور شیخ و سید علیہما الرحمہ کی تائید کی ہے اس کا مسودہ میں نے ہی دیا تھا کیونکہ مذہب شیخی یا عقائد شیخیہ کو بغیر علم و فہم غلط و باطل سمجھا جا رہا تھا اس کی رد ہو جائے اور قرآن و حدیث اور دلائل عقلیہ سے جن عقائد حقہ کو ان

بزرگوں نے مہریں ومستدل کیا ہے اس کا انکشاف ہو جائے۔

مولوی محمد اسمٰعیل دیوبندی کے مکتوب سے اقتباس

مکتوب 75-1-30

آج کل مقصرین کے خلاف ایک بہت بڑی مہم چلا رہا ہوں اور حضرت شیخ الاوحد شیخ احمد احسائی قدس سرہ کے معتقدین سے ہوں شرح زیارت جامعہ سے کوئی تیس سال سے استفادہ کرتا آ رہا ہوں سید الامجد کاظم رشتی اعلیٰ اللہ مقامہ سے بھی عقیدت ہے۔

قارئین محترم! ذرا غور کریں کہ کیا مولانا محمد بشیر انصاری نے اور مولوی محمد اسماعیل دیوبندی نے اپنے اپنے خطوط میں بالفاظ واضح یہ نہیں کہہ دیا کہ وہ شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی اور موسیٰ الاسکوئی احقاق کے پیرو ہیں اور مذہب شیخیہ رکھتے ہیں اور ان کے عقائد شیخی عقائد ہیں انہوں نے اپنی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان روسائے شیخیہ کی تالیفات سے لکھا اور منبروں پر جو کچھ بیان کیا وہ ان بزرگوں کی کتابوں سے بیان کیا اور ان کی جن کتابوں کا خصوصیت سے ذکر کیا وہ شرح زیارت اور موسیٰ الاسکوئی کی کتاب احقاق الحق ہے اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو یہ اس کی مرضی ہے۔

وما علینا الا البلاغ

مولف کی تالیفات ایک نظر میں

۱	شیخ احمد احسائی مسلمانان پاکستان کی عدالت میں	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے
۲	شیعہ جنت میں جائیں گے مگر کونسے شیعہ؟	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے
۳	تبصرہ المعصوم علی اصلاح الرسوم وایضاح الموہوم	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے
۴	شیعہ علماء سے چند سوال	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے
۵	نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اور نوع نبی وامام	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۶	شیخیت کیا ہے اور شیخی کون	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۷	العقائد الحقیہ والفرق بین الشیعہ والشیخیہ	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۸	خلافت قرآن کی نظر میں	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۹	امامت قرآن کی نظر	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۰	ولایت قرآن کی نظر میں	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۱	حکومت الہیہ اور دنیاوی حکومتیں	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۲	شیعہ اور دوسرے اسلامی فرقے	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۳	شعار شیعہ اور رمز تشیع کیا ہے اور کیا نہیں ہے	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۴	بشریت انبیاء ورسول کی بحث	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۵	تحفہ اشرفیہ بجواب تحفہ حسینیہ	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۶	آیت تحرہ اور قرآن کا درس توحید	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۶	معجزہ و ولایت تکوینی کی بحث	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۷	شریعت کے مطابق تشہد کیسے پڑھنا چاہیے	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۸	سوچئے کل کے لئے کیا بھیجا ہے	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۱۹	تعیین افراد مباہلہ یا تعارف اہل بیت پیغمبر	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے

۲۰	حیثیت و مقام انسانی اور خلافت کی کہانی	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۲۱	شیخیت کیا ہے اور شیخیت کا شیعہ علماء سے ٹکراؤ	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۲۲	اصل حقیقت کیا ہے بجواب شہادت ولایت علی نا قابل تردید حقیقت	//	//	//
۲۳	تطہیر و تقدیس منبر و محراب	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۲۴	کشف الحقائق و شرح دقائق	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۲۵	شیعہ عقائد کا خلاصہ اور ان کا شیخیہ و صوفیہ سے مقابلہ	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۲۶	حضرت آدم علیہ السلام	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۲۷	عظمت ناموس رسالت	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۲۸	اسلام پر سیاست و فلسفہ و تصوف کے اثرات	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۲۹	فلسفہ تخلیق کائنات در نظر قرآن	طبع دوم	غیر مطبوعہ	
۳۰	عظمت ناموس صحابہ	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۳۱	الشیخیہ الاحقاقیہ ھم المفوضۃ المشرکون (فارسی)	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۳۲	الشیخیہ الاحقاقیہ ھم المفوضۃ المشرکون (اردو)	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۳۳	ترجمہ تنبیہ الانام بر مفاسد ارشاد العوام	طبع دوم	غیر مطبوعہ	
۳۴	شیوہ حکومت اسلامی	طبع اول	غیر مطبوعہ	
۳۵	شیخی مبلغ حسین ساقی کو مناظرہ کا چیلنج	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے
۳۶	ھل تعلم انہ سبیا	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۳۷	نعروں کا مقصد اور ہمارے نعرے	طبع اول	مطبوعہ	موجود ہے
۳۸	اظہار حقیقت اعلان غدیر	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے
۳۹	پنجتن پاک قرآن و حدیث کی روشنی میں	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے
۴۰	ایک اعتبار اور ایک چیلنج	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے

۴۱	سراب آزادی یا غلام کی پر فریب زنجیریں	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے
۴۲	ملت جعفریہ پاکستان کا سیاسی کردار	طبع دوم	مطبوعہ	موجود ہے